الرسالہ

Al-Risala

June 1999 • [redacted] • Rs. 9

بر داشت فطرت کا اصول ہے۔ اگر آپ آزادانہ طور پر
بر داشت کا رویہ اختیار نہ کریں تو آپ کو مجبورانہ طور پر
بر داشت کا رویہ اختیار کرنا پڑے گا۔



عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر، مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

کتاب	قیمت
تذکیر القرآن (مکمل)	400.00
اسلام: ایک تعارف	80.00
اللہ اکبر	45.00
پیغمبر انقلاب	50.00
مذہب اور جدید چیلنج	55.00
عظمت قرآن	35.00
عظمت اسلام	50.00
عظمت صحابہ	7.00
دین کامل	60.00
الاسلام	45.00
ظہور اسلام	50.00
اسلامی زندگی	30.00
احیاء اسلام	35.00
راز حیات	65.00
صراط مستقیم	40.00
خاتون اسلام	60.00
سوشلزم اور اسلام	40.00
اسلام اور عصر حاضر	30.00
الربانیہ	40.00
کاروانِ ملت	45.00
حقیقت حج	30.00
اسلامی تعلیمات	25.00
اسلام دور جدید کا خالق	25.00
حدیث رسول	40.00
سفر نامہ (غیر ملکی اسفار)	85.00
راہ عمل	25.00
تعبیر کی غلطی	85.00
دین کی سیاسی تعبیر	20.00
عظمت مومن	7.00
اسلام ایک عظیم جدو جہد	4.00
تاریخ دعوت حق	5.00

کتاب	قیمت
مطالعہ سیرت (کتابچہ)	12.00
ڈائری (جلد اول)	80.00
کتاب زندگی	65.00
اقوال حکمت	25.00
تعمیر کی طرف	8.00
تبلیغی تحریک	20.00
تجدید دین	25.00
عقلیات اسلام	35.00
قرآن کا مطلوب انسان	8.00
دین کیا ہے؟	7.00
اسلام دین فطرت	7.00
تعمیر ملت	7.00
تاریخ کا سبق	7.00
فسادات کا مسئلہ	5.00
انسان اپنے آپ کو پہچان	5.00
تعارف اسلام	5.00
اسلام پندرہویں صدی میں	5.00
راہیں بند نہیں	12.00
ایمانی طاقت	7.00
اتحاد ملت	7.00
سبق آموز واقعات	7.00
زلزلہ قیامت	10.00
حقیقت کی تلاش	8.00
پیغمبر اسلام	5.00
آخری سفر	7.00
اسلامی دعوت	7.00
حل یہاں ہے	10.00
سچا راستہ	8.00
دینی تعلیم	7.00
امہات المومنین	20.00
تصویر ملت	85.00

کتاب	قیمت
دعوت اسلام	50.00
دعوت حق	40.00
نثری تقریریں	80.00
دین انسانیت	60.00
فکر اسلامی	50.00
شتم رسول کا مسئلہ	45.00
طلاق اسلام میں	5.00
مضامین اسلام	60.00
حیات طیبہ	7.00
باغ جنت	7.00
نار جہنم	7.00
خلیج ڈائری	10.00
رہنمائے حیات	7.00
تعدد ازدواج	7.00
ہندستانی مسلمان	40.00
روشن مستقبل	7.00
صوم رمضان	7.00
اسلام کا تعارف	4.00
علما اور دور جدید	8.00
سفر نامہ اسپین و فلسطین	60.00
مارکسزم: تاریخ جس کو رد کر چکی ہے	8.00
سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ	8.00
یکساں سول کوڈ	5.00
اسلام کیا ہے؟	8.00
میوات کا سفر	35.00
قیادت نامہ	35.00
مطالعہ سیرت	60.00
منزل کی طرف	4.00
اسباق تاریخ	85.00

Al-Risala Book Centre

1, Nizamuddin West Market, New Delhi-110 013 • Tel. 4625454, 4611128 • Fax 4697333
e-mail: skhan @ndf.vsnl.net.in • http://www.alrisala.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الرسالہ
Al-Risāla

اردو، اور انگریزی میں شائع ہونے والا
اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی
مولانا وحید الدین خاں
صدر اسلامی مرکز

Al-Risāla
1, Nizamuddin West Market,
New Delhi-110013
Tel. 4625454, 4611128
Fax 4697333, 4647980
skhan@vsnl.com
http://www.alrisala.org

SUBSCRIPTION RATES
Single copy Rs. 9
One year Rs. 100. Two years Rs. 195
Three years Rs. 290. Five years Rs. 480
Abroad: One year $ 10/£6 (Air mail)

DISTRIBUTED IN ENGLAND BY
IPCI: ISLAMIC VISION
481, Coventry Road, Birmingham B10 0JS
Tel. 0121-773 0137, Fax: 0121-766 8577
e-mail: info@ipci-iv.co.uk

DISTRIBUTED IN USA BY
AL-RISALA FORUM INTERNATIONAL
1439 Ocean Ave., 4C Brooklyn
New York NY 11230 Tel./Fax 718-2583435
e-mail: Kaleem@alrisala.org

Printed and published by Saniyasnain Khan on behalf of The Islamic Centre, New Delhi. Printed at Nice Printing Press, Delhi.

جون 1999، شمارہ 271

فہرست	صفحہ

امت وسط

قرآن میں امت محمدی کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: وکذلك جعلنکم امة وسطا لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيداً (البقرہ ۱۴۳) یعنی اس طرح ہم نے تم کو امتِ وسط بنا دیا تاکہ تم ہو شاھد (بتانے والے) لوگوں کے اوپر اور رسول ہو تم پر شاہد (بتانے والا)۔

وسط کے معنی بیچ کے ہیں ـــــ امت وسط کا مطلب ہے بیچ کی امت۔ جیسا کہ آیت کے الفاظ سے واضح ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ امت محمدی کو خدائی پیغام رسانی کے عمل میں بیچ کی کڑی کا درجہ حاصل ہے۔ اس کے ایک طرف پیغمبر اسلام ہیں اور اس کے دوسری طرف اقوام عالم۔ امت محمدی کو نسل در نسل یہ کام کرنا ہے کہ وہ پیغمبر آخر الزماں ﷺ سے خدا کے دین کو لے، اور پھر اس کو ٹھیک ویسا ہی ہر دور کے انسانوں تک پہنچاتی رہے۔

مفسر الطبری نے حضرت ابن زید کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: رسول الله ﷺ شاهد على امته، وهم شهداء على الامم (تفسیر الطبری ۲/۱۱) یعنی رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے اوپر شاہد ہیں اور امت دوسری قوموں کے اوپر شاہد ہے۔

اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن زید کا اسی مفہوم کا ایک اور قول نقل ہوا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: هم وسط بين النبى ﷺ وبين الأمم (صفحہ ۸) یعنی یہ امت رسول اللہ ﷺ اور اقوام عالم کے درمیان ہے۔

اس آیت میں دراصل امت محمدی کی مخصوص ذمہ داری بتائی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی پیغمبر آنے والا نہیں۔ مگر خدا کے دین کی پیغام رسانی کا کام بدستور باقی ہے۔ اب یہ کام پیغمبر اسلام ﷺ کی نیابت میں آپ کی امت کو انجام دینا ہے۔ یہ درمیانی ذمہ داری اس امت کو نسل در نسل انجام دینا ہے یہاں تک کہ قیامت آجائے۔

مشکل نہیں

میری زندگی کا ایک بہت بڑا سبق وہ ہے جو مجھ کو قرآن سے ملا۔ اسلام کے شروع کے زمانہ میں جب مسلمان بہت تھوڑے تھے اور ان کے مخالفین ان کو بہت زیادہ ستاتے تھے۔ اس وقت ان کے ذہن میں یہ سوال تھا کہ مشکلات کے اس طوفان میں اپنا کام کس طرح کیا جائے۔

اس وقت قرآن میں ایک آیت اتری جس میں انھیں اس معاملہ میں رہنمائی دی گئی۔ وہ آیت یہ تھی: ان مع العسر یسرا یعنی مشکل سے نہ گھبراؤ، کیونکہ مشکل کے ساتھ ہی اس دنیا میں آسانی بھی موجود ہے۔ قرآن کی اس آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ مشکل کے بعد آسانی ہے بلکہ یہ فرمایا کہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ یعنی جہاں مشکل ہے وہیں اور عین اسی وقت آسانی بھی موجود ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا کو بنانے والے نے اس کو اس طرح بنایا ہے کہ یہاں پرابلم کے ساتھ اس کا حل بھی موجود ہو۔ جہاں پرابلم یا کٹھنائی ہو وہیں ایسے مواقع (opportunities) بھی موجود ہوں جن کو استعمال کر کے آدمی آگے بڑھ سکے۔ اس دنیا میں پرابلم اور حل دو ایسے جوڑواں بھائی ہیں جو کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔

میں اپنی زندگی میں کئی بار نقصان یا ناکامی سے دوچار ہوا ہوں مگر میں نے ہر بار اسی اصول کو استعمال کیا۔ چنانچہ جب بھی میں نے غور کیا تو میں نے پایا کہ جہاں پرابلم پیدا ہوا وہیں اس کا حل بھی موجود تھا۔ مثلاً یہ کہ جہاں اوسط درجہ کی محنت سے کام نہ بن رہا ہو وہاں آدمی زیادہ محنت کر کے اپنا کام بنالے۔

میں نے ایک بار ایک منظر دیکھا۔ اسکول کے بچے تقریباً ایک سو کی تعداد میں اسکول سے نکل کر سڑک پر آگئے۔ وہ فٹ پاتھ پر چلنا چاہتے تھے مگر تنگ فٹ پاتھ پر وہ بھیڑ کی صورت میں نہیں چل سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے استاد کی ہدایت پر یہ کیا کہ دو دو کی صورت میں لمبی قطار بنالی

اس طرح وہ آسانی کے ساتھ فٹ پاتھ سے گذر گئے۔ ایسا نہیں ہوا کہ وہ پوری سڑک پر پھیل کر ٹریفک کے لئے مسئلہ پیدا کریں۔

ان طالب علموں کے لئے دائیں اور بائیں پھیلنے کا موقع نہیں تھا۔ انھوں نے آگے اور پیچھے پھیل کر اپنا راستہ طے کر لیا۔ اس واقعہ کو دیکھ کر میں نے یہ سمجھا کہ مشکل میں آسانی ہونے کا مطلب کیا ہے۔ یہ ایک مثال ہے جو اس معاملہ کو بہت خوبی کے ساتھ بتا رہی ہے۔ سڑک کے سفر کا یہ واقعہ زندگی کے دوسرے تمام معاملات میں رہنمائی دے رہا ہے۔

مشکل میں آسانی کا یہ معاملہ نیچر کا ایک اٹل قانون ہے۔ اس کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ نیچر کا یہ طریقہ ہے کہ جب بھی کہیں ایک مسئلہ پیدا ہوتا ہے تو وہ خود ہی اپنے آپ اس کے حل کی طرف دوڑ پڑتی ہے۔ وہ ایک خودکار نظام کی طرح مشکل کے ساتھ آسانی لاتی ہے۔

مثلاً ایک شخص جب کسی مشکل صورت حال سے دوچار ہوتا ہے تو نیچر کے پراسس کے تحت اپنے آپ اس کے دماغ کے ذرّات اور زیادہ متحرک ہو جاتے ہیں۔ اس کی ذہنی دنیا میں ایک نئی بیداری آجاتی ہے۔ وہ پہلے سے زیادہ سوچنے لگتا ہے۔ اس طرح وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ زیادہ بڑھی ہوئی سوچ اور زیادہ بڑھی ہوئی طاقت سے آئی ہوئی مشکل کو حل کر سکے۔

آپ کے راستہ میں چٹان حائل ہو تو اس کے کنارے سے اپنا راستہ نکال لیجئے۔ ٹکراؤ کے ذریعہ جو مسئلہ حل نہ ہو رہا ہو اس کا حل صابرانہ تدبیر میں دریافت کیجئے۔ جہاں بولنا بظاہر کارآمد نہ ہو وہاں خاموشی کا اسلوب اختیار کیجئے۔ جو کام جسمانی طاقت کے ذریعہ بنتا ہوا نظر نہ آئے وہاں عقل و دانش کی طاقت کو استعمال کیجئے۔

یہی موجودہ دنیا میں کامیاب زندگی کی تعمیر کا واحد اصول ہے۔ اس دنیا میں کامیاب وہ ہے جو اس اصول کو دریافت کر کے اسے اپنے حق میں استعمال کرے اور ناکام وہ ہے جو فطرت کے اس اصول کو دریافت نہ کر سکے اور نتیجۃً اپنے عمل کی درست منصوبہ بندی میں ناکام رہے۔

اللہ کا ذکر

حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ وہ کون لوگ ہیں جن کا درجہ اللہ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے افضل ہوگا۔ فرمایا کہ اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرنے والے (ان رسول اللہ ﷺ سئل ای العباد افضل درجة عند الله یوم القیامة قال الذاکرین الله کثیرا) الترمذی، کتاب الدعوات۔

ذکر کا مطلب کسی قسم کا لفظی ورد نہیں ہے۔ اس کا مطلب اللہ کی یاد ہے۔ اللہ کی یاد پورے دین کا خلاصہ ہے۔ بندہ جب اپنے رب کو اس کی عظمت و جلال کے ساتھ دریافت کرتا ہے تو یہ دریافت اس کی پوری شخصیت کے اندر ایک ہلچل پیدا کر دیتی ہے۔ اس کے دل میں خدا کی یاد کا طوفان برپا ہو جاتا ہے۔ اس کی یہ اندرونی کیفیت بار بار تکبیر و تحمید کے الفاظ کی صورت میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔

اسی بے تابانہ یاد کا نام ذکر ہے۔ اس ذکر کا کوئی وقت نہیں، وہ ہر حال میں آدمی کی زبان پر جاری رہتا ہے، خواہ گھر کے اندر ہو یا مسجد میں ہو یا میدان جہاد میں۔ یہ ذکر بلاشبہہ تمام اعمال میں سب سے افضل عمل ہے۔ الترمذی کی ایک اور روایت میں ہے کہ جب تم جنت کے باغوں سے گزرو تو وہاں خوب چر لو۔ پوچھا گیا کہ جنت کے باغ کیا ہیں۔ فرمایا کہ ذکر کے حلقے (اذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا۔ قالوا وما ریاض الجنة ۔ قال حلق الذکر)

الطبرانی نے یہ روایت کسی قدر لفظی فرق کے ساتھ نقل کی ہے۔ اس سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔ اس میں ہے کہ جب تم جنت کے باغوں سے گزرو تو خوب چر لو۔ پوچھا گیا کہ جنت کے باغ کیا ہیں۔ فرمایا کہ علم کی مجلسیں (اذا مررتم بریاض الجنةفارتعوا ۔ قالوا وما ریاض الجنة ۔ قال مجالس العلم) مجلس ذکر اور مجلس علم دونوں ایک ہیں۔ انفرادی ذکر جب اجتماعی ذکر کی صورت میں ہو تو اسی کا نام مجلس ذکر یا مجلس علم ہے۔

داخلی کیفیت

قال رسول الله ﷺ ان الله لاینظر الی صورکم واموالکم و لکن ینظر الی قلوبکم و اعمالکم (مشکوۃ ۳۔ ۱۴۶۲)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تمہاری صورتوں کو اور تمہارے مال کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ وہ تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

عمل کے دو پہلو ہیں، خارجی اور داخلی۔ اللہ کے یہاں کسی عمل کی قیمت اس کی صورت خارجی کے اعتبار سے متعین نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی کیفیت داخلی کے اعتبار سے متعین ہوتی ہے۔ داخلی احساس اور اندرونی محرک کے اعتبار سے اگر آدمی اللہ کی رضا کے لئے متحرک ہوا ہے تو اس کا عمل قابل انعام ٹھہرے گا۔ اور اگر آدمی کے داخلی وجود اور اس کی اندرونی شخصیت میں اللہ کی رضا طلبی کے سوا کوئی اور جذبہ بسا ہوا تھا تو ایسے آدمی کا عمل رد کر دیا جائے گا۔ وہ اللہ کے یہاں کسی انعام کا مستحق نہیں قرار پائے گا۔

ایک شخص دینی سرگرمی دکھاتا ہے۔ اس کی دینی سرگرمی اگر خالص اللہ کے لئے ہو تو وہ آخرت کی میزان میں قابل قدر ہے، اور اگر اس کی سرگرمی کا محرک لوگوں کے درمیان عزت حاصل کرنا ہو تو ایسی دینی سرگرمی کی اللہ کے یہاں کوئی قیمت نہیں۔ ایک شخص اللہ کے نام پر مال خرچ کرتا ہے۔ اگر یہ کام اس نے رضائے الٰہی کی طلب میں کیا ہے تو وہ آخرت میں اس کا انعام پائے گا۔ لیکن اگر اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ لوگوں کے درمیان نمایاں ہو تو اس کا مالی انفاق آخرت میں اس کے کچھ کام نہ آئے گا۔

کوئی کام خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، اس کی قدر و قیمت کا تعین اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے پیچھے کام کرنے والے جذبہ سے ہوتا ہے نہ کہ محض اس اعتبار سے کہ وہ ظاہری طور پر لوگوں کو کیسا دکھائی دیتا ہے۔ جو شخص دنیا کے لئے کام کرے، اس نے دنیا ہی میں اپنے عمل کا بدلہ پالیا۔ جو شخص آخرت کے لئے کام کرے تو اس کا عمل آخرت کے دفتر میں محفوظ ہے۔ وہ اپنی آخرت کی زندگی میں اس کا بہترین اجر پائے گا۔ اور بلاشبہ سب سے اچھا اجر آخرت کا اجر ہے۔

حقیقی کامیابی

کسی آدمی کی سب سے بڑی محرومی کیا ہے۔اس کی سب سے بڑی محرومی یہ ہے کہ وہ نہ ملنے والی چیز کی خاطر ملنے والی چیز سے اپنے آپ کو محروم کر لے۔دنیا میں آدمی کو مختلف قسم کی لذتیں دکھائی دیتی ہیں۔خوشیوں کے قہقہے اس کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔وہ ان خوشیوں اور لذتوں کی طرف دوڑتا ہے۔ہر قسم کی کوشش کے بعد آخر کار وہ انہیں حاصل کر لیتا ہے۔یہ خوشیاں اور لذتیں کسی کو کم مقدار میں ملتی ہیں اور کسی کو زیادہ مقدار میں۔ مگر یہ صرف ایک ظاہری فرق ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے ہر ایک محروم ہوتا ہے۔ہر ایک اس احساس میں مبتلا رہتا ہے کہ جس خوشی اور لذت کو وہ حاصل کرنا چاہتا تھا،بظاہر پانے کے باوجود وہ اس کو نہ پاسکا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لذتیں اور خوشیاں ہمیشہ انسان کی اصل طلب سے بہت کم ہوتی ہیں۔انسان کی اصل طلب یہ ہے کہ اس کو معیاری خوشی اور معیاری لذت ملے۔ مگر دنیا کی ہر لذت انسان کے ذہنی معیار سے بہت کم ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس دنیا میں محل والا بھی اپنی حاصل کردہ خوشی سے اتنا ہی غیر مطمئن ہوتا ہے جتنا کہ جھونپڑی والا۔

آخرت کی خوشی کے لئے دوڑنا ایک حقیقی خوشی کی طرف دوڑنا ہے اور دنیا کی خوشی کے لئے دوڑنا ایک بے حقیقت خوشی کی طرف دوڑنا ہے۔ایسی حالت میں جو شخص آخرت کو بھول کر دنیا کی خوشی کی طرف دوڑے اس نے گویا نہ پانے والی چیز کی طلب میں اپنے آپ کو پانے والی چیز سے محروم کر لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ معیاری لذت اور معیاری خوشی صرف آخرت میں ہے۔خوش نصیب وہ ہے جس کو آخرت کی معیاری لذت اور خوشی حاصل ہو۔اس دنیا میں واحد کامیاب انسان وہ ہے جو نہ ملنے والی چیز سے نظریں ہٹا کر ملنے والی چیز کے لئے عمل کرے،جو دنیا کی فرضی جنت کو چھوڑ کر آخرت کی حقیقی جنت کو اپنے لئے یقینی بنانے کی کوشش کرے۔

معیار نجات

قرآن میں اعلان کیا گیا ہے کہ لوگ اگر اس طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو انھوں نے ہدایت پائی۔ (البقرہ ۱۳۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ہدایت کا معیار کیا ہے جو آدمی کو نجات تک پہنچانے والا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آدمی اس معرفت ایمان کا ثبوت دے جس کا ثبوت پیغمبر کے معاصر مؤمنین نے دیا تھا۔ اس معرفت سے کم تر درجہ کا ایمان خدا کے یہاں مقبول اور مطلوب نہیں۔ قرآن کی روشنی میں انسان کے معاملہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نجات یا جنت کا حصول انھیں انسانوں کے لئے ہے جو دوبارہ اس معیار پر پورے اتریں جس پر پیغمبر کے معاصر مؤمنین پورے اترے۔ پیغمبر کے معاصر اہل ایمان نے جس معرفت کا ثبوت دے کر پیغمبر کو پہچانا اور ایمانی زندگی اختیار کی، بعد کے زمانہ میں بھی معرفت کا وہی درجہ مقبولیت کی شرط ہے۔ اسی معرفت کا ثبوت دے کر پیغمبر کے معاصر مؤمنین اپنے زمانہ کے پیغمبر کے ساتھی بنے تھے۔ پیغمبر کے معاصر مؤمنین نے پیغمبر کو اس کی مجرد صورت میں پہچانا۔ وہ پیغمبر کی تاریخی عظمتوں کو دیکھے بغیر اس پر ایمان لائے۔ انھوں نے اس وقت پیغمبر کا ساتھ دیا جب کہ پیغمبر کے ساتھ مادی یا دنیوی عظمتیں شامل نہیں ہوئی تھیں، جب کہ پیغمبر لوگوں کے درمیان ایک متنازعہ شخصیت بنا ہوا تھا نہ کہ آج کی طرح ایک مسلمہ شخصیت۔

یہی اللہ کے نزدیک ہدایت کا معیار ہے۔ جو لوگ اس خدائی معیار پر پورے اتریں وہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں جنت کے دروازے کھولے جائیں گے۔ اصحابِ رسول تمام مسلمانوں کے لئے معیار ہیں۔ صرف اس معنی میں نہیں کہ انہوں نے شکلاً جس طرح نماز پڑھی اسی طرح ہم بھی نماز پڑھیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اصحاب رسول جس طرح ایمان لائے ہم بھی اسی طرح ایمان لائیں۔

فراست مومن

قرآن میں تاریخ کے بعض واقعات کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے: انّ فی ذلك لآیات للمتوسمین (الحجر ۷۵) اس آیت میں متوسم کی تشریح متفرس سے کی گئی ہے۔ یعنی ان تاریخی واقعات میں نشانی ہے اہل فراست کے لئے (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۱۰/۴۲)

اس سلسلہ میں ایک حدیث بھی آئی ہے جو اس کی مزید وضاحت کرتی ہے۔ ایک روایت کے مطابق، اس حدیث رسول کے الفاظ یہ ہیں:

احذروا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله وينطق بتوفيق الله (جامع البيان عن تاويل آى القرآن للطبرى ١٤/٤٧)

مؤمن کی فراست سے بچو کیوں کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور وہ اللہ کی توفیق سے کلام کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی پر ایمان آدمی کے اندر یہ صلاحیت پیدا کرتا ہے کہ وہ چیزوں کو ربانی نظر سے دیکھے اور معاملات کے اوپر اس اعلیٰ اسلوب میں کلام کرنے لگے جو خدا کی خصوصی توفیق سے کسی کو حاصل ہوتا ہے۔

مومن اور غیر مومن کا فرق یہ ہے کہ غیر مومن چیزوں کے ظاہر کو دیکھ کر اپنی رائے قائم کرتا ہے۔ جب کہ مومن چیزوں کے ظاہر سے گزر کر اس کے باطن تک پہونچ جاتا ہے۔ وہ اندرونی حقائق کے اعتبار سے اپنی رائے قائم کرتا ہے۔ یہی وہ خاص صفت ہے جس کی وجہ سے دونوں کی رایوں میں یہ فرق پیدا ہو جاتا ہے کہ ایک کی رائے بے پناہ حد تک طاقتور ہوتی ہے۔ اور دوسرے کی رائے بے وزن اور بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے۔

مثلاً ایک شخص ہے جس کو اللہ سے تعلق نہیں۔ وہ بس اپنی ذات میں جیتا ہے اور اپنی عقل

سے رہنمائی لیتا ہے۔ایسے شخص کوایک آدمی گالی دیتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ زیادتی کرتا ہے۔اب کیا ہو گا۔اب یہ ہو گا کہ اس شخص کی انا بھڑک اٹھے گی۔اس کی عقل اس کو بتائے گی کہ اس آدمی کو سبق سکھانا ہے۔اگر میں نے اس کو سبق نہیں سکھایا تو وہ مجھ کو بزدل سمجھ لے گا اور آئندہ میرے خلاف زیادتیوں کے لئے وہ اور بھی جری ہو جائے گا۔یہ سوچ کر وہ مذکورہ آدمی سے لڑ جائے گا۔ خواہ اس کے نتیجہ میں اس کو مزید تباہی کے سوا کچھ اور ملنے والا نہ ہو۔

اس کے برعکس جس آدمی کے خوف خدا نے اس کو متواضع بنا رکھا ہو۔ جس کو خدا کی بڑائی کی معرفت اس طرح حاصل ہو جائے کہ اس کے اندر سے اپنی بڑائی کا احساس نکل جائے۔ ایسے آدمی کا حال یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے خلاف اشتعال انگیز بات کرے تو اس کی تواضع کی نفسیات اس کو اس انجام سے بچائے گی کہ وہ اشتعال انگیزی پر بھڑک اٹھے۔ اس کا خوف خدا اس بات کا ضامن بن جائے گا کہ بھڑکانے والی بات کے باوجود وہ معتدل بنا رہے۔

اشتعال انگیزی پر بھڑک اٹھنے والا آدمی اگر اپنی عقل کو کھو بیٹھتا ہے تو اشتعال انگیزی پر نہ بھڑکنے والے آدمی کو یہ خصوصیت حاصل ہو گی کہ اس کے جذبات پوری طرح اس کے قابو میں ہوں اور اس کی عقل معاملے کو ٹھیک ٹھیک سمجھے اور وہ درست طور پر اپنی جوابی کاروائی کا منصوبہ بنائے۔

مومن کی یہی صفت ہے جو اس کو صاحب فراست بناتی ہے۔اس کے نتیجہ میں وہ بے پناہ حد تک ناقابل تسخیر ہو جاتا ہے۔

مومنانہ عمل، دوسرے لفظوں میں، ایک صابرانہ عمل ہے۔اور غیر مومنانہ عمل اس کے مقابلے میں ایک عاجلانہ عمل۔ صابرانہ کاروائی منصوبہ بند کاروائی کا نام ہے اور عاجلانہ کاروائی غیر منصوبہ بند کاروائی کا نام۔اور یہ ایک حقیقت ہے کہ عاجلانہ کاروائی ہمیشہ ناکام ہوتی ہے، اور صابرانہ کاروائی ہمیشہ کامیاب۔ تاریخ کے تمام تجربات اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا مسلمہ ہے جس میں کوئی بھی استثناء نہیں۔

قساوتِ قلب

قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ ۔۔۔ کیا ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی نصیحت کے آگے جھک جائیں۔ اور اس حق کے آگے جو نازل ہو چکا ہے۔ اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ان پر لمبی مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں (الحدید ۱۶)

اس آیت میں قساوت سے مراد دل کا سخت ہو جانا یا بے حس ہو جانا ہے۔ یہ کیفیت ہمیشہ ان قوموں کے ساتھ پیش آتی ہے جن کو خدا کی کتاب دی گئی اور پھر ان پر لمبی مدت گزر گئی۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ حامل کتاب گروہ کی ابتدائی نسل میں ایمانی حسّاسیت زندہ رہتی ہے۔ مگر بعد کی نسلوں میں یہ کیفیت باقی نہیں رہتی۔ اس کے بجائے لوگوں میں بے حسی آجاتی ہے۔ دین کا ظاہری ڈھانچہ اگرچہ ابھی باقی رہتا ہے مگر دین کی اسپرٹ ختم ہو جاتی ہے۔ اسی حالت کا دوسرا نام قساوت ہے۔ قساوت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ لوگوں میں فرق کا احساس باقی نہیں رہتا۔ اپنی بے حسی کی بنا پر لوگ ایک چیز کو دوسری چیز سے بہت زیادہ الگ نہیں کرپاتے۔ اس کے نتیجہ میں پورا معاشرہ اخلاقی ابتری کا شکار ہو جاتا ہے۔

بے حس لوگ علمی تنقید اور الزام تراشی کے فرق کے بارے میں زیادہ شدید نہیں ہوتے۔ اس لئے وہ لوگوں کے خلاف الزام کی زبان بھی اسی اطمینان کے ساتھ بولتے ہیں جس طرح حقیقت کا اظہار کرتے وقت انھیں مطمئن ہونا چاہئے۔ وہ ایک جھوٹ بات بھی اسی آسانی سے کہہ دیں گے جس طرح ایک سچ بات کہی جاتی ہے۔ وہ خیانت کا معاملہ کرنے میں بھی اتنا ہی جری ہوتے ہیں جتنا کہ امانت کا معاملہ کرنے میں۔

حسّاسیت اس بات کی ضامن ہے کہ آدمی حق اور ناحق کے فرق کو شدت کے ساتھ محسوس کرے۔ اس کے برعکس جن لوگوں میں یہ شدت احساس موجود نہ ہو وہ دونوں کے فرق کو

نہیں سمجھیں گے۔ وہ ایک ناجائز فعل کو بھی اسی طرح کھلے دل کے ساتھ کریں گے جس طرح کوئی شخص ایک جائز فعل کو کرتا ہے۔

اس شدت احساس کا تعلق زندگی کے ہر پہلو سے ہے۔ کوئی آدمی اگر دوسرے کی غلطی پکڑنے میں شدت احساس کا مظاہرہ کرے تو اس کے اندر یہی شدت خود اپنی غلطی کو محسوس کرنے کے بارے میں بھی ہونی چاہئے۔ یہ قساوت قلب کی علامت ہے کہ آدمی دوسرے کی غلطی کے معاملے میں شدید ہو اور اپنی غلطی کے معاملے میں وہ غیر شدید ہو جائے۔

اگر آپ دوسرے آدمی کی ایک غلطی کو لے کر اس کا زور و شور کے ساتھ اعلان کریں تو اسی کے ساتھ آپ کے اندر یہ مادہ بھی ہونا چاہئے کہ جب یہ معلوم ہو کہ جس چیز کو آپ نے غلطی سمجھا تھا وہ غلطی تھی ہی نہیں تو آپ کو اسی شدت کے ساتھ خود اپنی غلطی کا اعتراف کرنا چاہئے۔ اس دنیا میں اعلان حق کا کریڈٹ صرف اس شخص کو ملتا ہے جو اسی طاقت کے ساتھ اعتراف حق کا ثبوت بھی دے سکے۔ اعلان حق وہی معتبر ہے جس کے ساتھ اعتراف حق کا جذبہ بھی آدمی کے اندر پوری طرح پایا جاتا ہو۔ اعتراف حق کا تعلق اپنی ذات سے ہے اور اعلان حق کا تعلق دوسرے کی ذات سے۔ اور خدا کا یہ قانون ہے کہ جو آدمی اپنی ذات کو حذف کر کے صرف دوسروں کے بارے میں سوچے اس کو کبھی اعلان حق یا اقامت حق کا کریڈٹ نہیں دیا جاتا۔

بے حس انسان اور حساس انسان میں وہی فرق ہے جو ایک جانور میں اور ایک حقیقی انسان میں ہوتا ہے۔ جانور حق و باطل کے احساس سے خالی ہے۔ ایک جانور اگر کسی کو سینگ مارے تو اس کا ضمیر اس کو ملامت نہیں کرے گا یا اگر وہ کسی غیر کے کھیت میں گھس کر اس کی فصل کھالے تو اس کو یہ احساس نہیں ستائے گا کہ اس نے ایک ناحق کام کیا ہے۔ مگر انسان فطری طور پر اپنے اندر حق و باطل کی تمیز رکھتا ہے۔ یہ فطری تمیز جب تک اس کے اندر زندہ ہو اس وقت تک وہ انسان کے درجہ میں رہتا ہے اور جب اس کی یہ داخلی تمیز کند ہو جائے تو اس کے بعد وہ انسانیت کے درجہ سے گر کر حیوان کے درجہ میں پہنچ جاتا ہے۔

خاتمۂ حیات

ایک ایسے انسان کو لیجئے جو ۵۰ سال سے زیادہ عمر پا کر مرا ہو۔ وہ اس وقت اپنی زندگی کے تکمیلی مرحلہ میں ہوتا ہے۔ علم، تجربہ، اور تیاری کے مختلف مراحل سے گزر کر اس وقت وہ ایک پختہ انسان بن چکا ہوتا ہے۔ عین اس وقت موت کا فرشتہ آتا ہے اور اس کو اس طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا ہے جیسے کہ وہ باغ حیات کا ایک غیر مطلوب درخت تھا جس کو بے رحمانہ طور پر کاٹ دیا گیا۔

یہ وہ وقت ہوتا ہے جب کہ انسان اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ زیادہ پختہ دماغ سے سوچے۔ وہ زیادہ معنویت کے ساتھ کائنات کے نغموں کو سنے، وہ زیادہ لطافت کے ساتھ دنیا کے ذائقوں کو چکھے۔ اس وقت وہ اس پوزیشن میں ہوتا ہے کہ زیادہ کامیاب کلام کرے۔ زیادہ اعلیٰ نوعیت کی تحریریں تخلیق کر سکے۔ وہ ان تمام کاموں کو زیادہ معیاری سطح پر انجام دے جن کو اپنی ناپختگی کی بنا پر اب تک وہ صرف غیر معیاری انداز میں انجام دے رہا تھا۔

یہی اس دنیا میں ہر انسان کی کہانی ہے۔ یہاں ہر انسان صرف اپنے مرحلۂ نشو نما تک زندہ رہتا ہے۔ اس کے بعد جب وہ اپنی زندگی کے آخری تکمیلی مرحلہ میں پہنچتا ہے تو وہ انتہائی بے بسی کے ساتھ اپنی زندگی کی کہانی کا یہ المناک منظر دیکھتا ہے کہ اس کو اچانک اسٹیج سے ہٹا دیا گیا۔

تاہم زندگی کا یہ انجام صرف اس وقت ایک المیہ ہے جب کہ موت کو زندگی کا خاتمہ سمجھا جائے۔ مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ موت زندگی کا خاتمہ نہیں بلکہ وہ ایک نئے دور حیات کا آغاز ہے۔ اس تصور کے مطابق زندگی کا موجودہ مرحلہ گویا کہ تربیتی مرحلہ ہے اور موت کے بعد کا مرحلہ تربیت یافتہ صلاحیتوں کے استعمال کا مرحلہ۔ جو لوگ اس حقیقت کو پالیں ان کے لئے موجودہ تربیتی مرحلہ بھی بامعنی ہے اور بعد کا مرحلہ بھی بامعنی۔ جب کہ وہ تربیت یافتہ انسان کی حیثیت سے آخرت کے اعلیٰ مواقع کو استعمال کر کے اپنے لئے ایک پر مسرت زندگی کی تعمیر کر سکیں گے۔

تقویٰ اور علم

قرآن (البقرہ ۲۸۲) میں آیا ہے کہ اور تم اللہ کا تقوی اختیار کرو اور اللہ تم کو سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (واتقوا الله ويعلمكم الله والله بكل شئ عليم) القرطبی نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

وعد من الله تعالى بأن من اتقاه علّمه ـ اى يجعل فى قلبه نورا يفهم به ما يلقى اليه ـ وقد يجعل الله فى قلبه ابتداء فرقانا اى فصلا يفصل به بين الحق والباطل ـ ومنه قوله تعالى: ياايها الذين آمنوا ان تتقو الله يجعل لكم فرقانا (الجامع لاحکام القرآن ۴۰۶/۳)

یہ اللہ تعالی کا وعدہ ہے کہ جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ اس کو علم دیتا ہے۔ یعنی اس کے دل میں ایسا نور پیدا کر دیتا ہے جس کے ذریعہ وہ باتوں کو سمجھتا ہے۔ کبھی اللہ تعالی ابتداء ہی میں اس کے دل کے اندر فرقان یعنی حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے کی صلاحیت پیدا فرما دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: اے ایمان والو، اگر تم اللہ سے ڈرو تو وہ تمہارے لئے فرقان بنا دے گا۔

تقویٰ کس طرح علم اور فہم کا ذریعہ بنتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ تقویٰ آدمی کے اندر سنجیدگی پیدا کرتا ہے۔ وہ آدمی کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ غیر ذمہ دارانہ رائے قائم کرنے سے بچے، وہ اپنی سوچ کو منصفانہ سوچ بنائے۔ اس کی سوچ عین مطابق واقعہ سوچ بن جائے۔

علم صحیح کے لئے صرف معلومات یا درس و مطالعہ کافی نہیں۔ اس کے ساتھ لازمی طور پر ضروری ہے کہ آدمی کے اندر شدید احساس ذمہ داری ہو تاکہ وہ معلومات سے غلط نتیجہ اخذ نہ کرے، تاکہ وہ اپنے ذہن کو حقیقت کے تابع بنائے نہ کہ خود حقیقت کو اپنے ذہن کے تابع بنانے لگے۔ ذمہ داری کا احساس معلومات سے غلط نتیجہ نکالنے میں روک بنتا ہے۔ یہ ذہنی روک اگر آدمی کے اندر موجود نہ ہو تو وہ معلومات کے انبار کے باوجود صحیح رائے قائم کرنے میں ناکام رہے گا۔

عملِ زراعت

قرآن میں اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ـــــ اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ان پر لمبی مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ جان لو کہ اللہ زمین کو زندگی دیتا ہے اس کی موت کے بعد، ہم نے تمہارے لئے نشانیاں بیان کر دی ہیں تاکہ تم سمجھو (الحدید ۱۷)

ملت کے ابتدائی افراد ذہنی تبدیلی اور شعوری انقلاب کے ذریعہ جاہلیت سے نکل کر خدا کے دین کی طرف آتے ہیں۔ ان کا ایمان زندہ ایمان ہوتا ہے۔ مگر بعد کی نسلوں میں یہ شعور گھٹنا شروع ہوتا ہے۔ کئی نسلیں گزرنے کے بعد لوگ جمود کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اب ضرورت ہوتی ہے کہ ملت کی بعد کی نسلوں میں بھی وہی ایمانی شعور پیدا کیا جائے جو اس کی ابتدائی نسل میں پایا جاتا تھا۔

یہ مقصد کس طرح حاصل کیا جائے۔ اس کے لئے خدا نے زمین کی صورت میں ایک عملی مثال قائم کر دی ہے۔ زمین میں بار بار ایسا ہوتا ہے کہ ایک فصل دینے کے بعد وہ خشک ہو جاتی ہے اور بظاہر بنجر زمین کی طرح دکھائی دینے لگتی ہے۔ اس وقت کسان دوبارہ وہی عمل شروع کرتا ہے جو زمین پر ابتدائی مرحلہ میں کیا گیا تھا۔ یعنی کھیت کو جوتنا، اس میں کھاد اور پانی دینا، اس میں بیج بونا، مسلسل نگرانی کرتے ہوئے اس کو ہر قسم کی آفات سے بچانا۔ اس طرح کا ایک لمبا اور مسلسل عمل ہوتا ہے جو ہر صبح و شام جاری رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت آتا ہے جب کہ سوکھی زمین دوبارہ ایک لہلہاتی ہوئی فصل کی صورت میں دکھائی دینے لگتی ہے۔ مردہ زمین کو جس طرح عملِ زراعت کے ذریعہ دوبارہ زندہ کیا جاتا ہے، ٹھیک اسی طرح ملت کے معاملہ میں بھی ایک عملِ زراعت مطلوب ہے، یہاں بھی یہی کرنا ہے کہ اگلی نسلوں میں جب زوال اور انحطاط کا دور آجائے تو دوبارہ کسان جیسا عمل کر کے ملت کی بعد کی نسلوں کو اسی طرح اٹھایا جائے جس طرح اس کی ابتدائی نسل اٹھی تھی۔

ایک دعا

حدیث کی کتابوں میں پیغمبر اسلام کی بہت سی دعائیں نقل کی گئی ہیں۔ یہ دعائیں پیغمبر اسلام کی اندرونی شخصیت کو بتاتی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام کے سینہ میں کس قسم کے احساسات کا طوفان برپا رہتا تھا۔ ان کے اندر کی دنیا کس قسم کے جذبات وخیالات سے ہمیشہ آباد رہتی تھی۔ ان میں سے ایک دعا وہ ہے جو ان الفاظ میں آپ کی زبان سے نکلتی تھی: اللھم ارنا الحق حقاو ارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلاو ارزقنا اجتنابه وارنا الاشياء كما هي (اے اللہ ہمیں حق کو حق کی صورت میں دکھااور ہمیں اس کی پیروی کی توفیق دے اور اے اللہ ہمیں باطل کو باطل کے روپ میں دکھااور ہمیں اس سے بچنے کی توفیق دے۔ اور اے اللہ ہمیں چیزوں کو ویسا ہی دکھا جیسا کہ وہ ہیں۔

موجودہ دنیا میں حقیقتوں کے اوپر اشتباہ کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ جو شخص صرف چیزوں کے ظاہر کو جانے وہ ان کو ان کی حقیقت کے اعتبار سے سمجھ نہیں سکتا۔ پیغمبر کو یہ احساس تڑپاتا ہے۔ وہ بیتابانہ اللہ کو پکار کر یہ کہنے لگتا ہے کہ اے اللہ مجھ کو حقیقت بینی کی نعمت عطا فرما تا کہ میں چیزوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھوں، میں ہر چیز کے بارے میں وہی درست رائے قائم کروں جو حقیقت واقعہ کے اعتبار سے ہونا چاہئے۔ صحیح فکر کے بغیر سچی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ اسی طرح صحیح فکر کے بغیر صحیح عمل کا ظہور بھی ممکن نہیں۔ یہی احساس تھا جو شدت اختیار کر کے مذکورہ قسم کی دعا میں ڈھل گیا تھا۔ یہ دعا ایک مومنانہ قلب کی تصویر ہے جو پیغمبر کے سینہ میں اعلیٰ ترین درجہ میں موجود ہوتی ہے۔

اس دنیا کا سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ آدمی کو حق باطل کے روپ میں دکھائی دے اور باطل اس کو حق کے روپ میں دکھائی دینے لگے۔ اس سے بچنا اسی آدمی کے لئے ممکن ہے جو اللہ کی توفیق سے اتنا باشعور ہو جائے کہ ایک چیز اور دوسری چیز کے فرق کو وہ گہرائی کے ساتھ دیکھنے لگے۔

خبر کی تحقیق

قرآن میں حکم دیا گیا ہے کہ کوئی فاسق اگر تمہارے پاس کوئی سنگین خبر لائے تو تم اچھی طرح اس کی تحقیق کرلو (الحجرات ۶) صحیح مسلم کی ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: كفى بالمرء كذبا ان يحدث بكل ما سمع (مشكاة المصابيح ۱/۵۵) یعنی کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے (اور پڑھے) اس کو وہ بلا تحقیق بیان کرنے لگے۔ اس معاملہ کی ایک مثال یہاں درج کی جاتی ہے۔

عربی زبان کا ایک لغت "المنجد" کے نام سے ہے۔ اس کو ایک مسیحی پادری لوئیس معلوف نے تیار کیا ہے۔ وہ لبنان میں ۱۸۶۷ میں پیدا ہوا اور ۱۹۴۶ میں اس کی وفات ہوئی۔ ہمارے سامنے اس کتاب المنجد کا ۲۶واں ایڈیشن ہے جو بیروت سے ۱۹۷۳ میں چھپا ہے۔

عربی زبان کی اس مشہور اور متداول لغت میں الطلقاء کا مفہوم ان الفاظ میں دیا گیا ہے: الذين ادخلوا فى الاسلام كرها (صفحہ ۱۷۰) یعنی طلقاء سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اسلام میں جبراً داخل کیا گیا۔

اگر کوئی شخص مذکورہ کتاب کے اس بیان کو لے اور مزید تحقیق کے بغیر اس کو پھیلانے اور نقل کرنے لگے تو قرآن کی مذکورہ تعلیم کے مطابق، یہ سخت گناہ کی بات ہوگی کیوں کہ کسی بات کا ایک کتاب میں چھپ جانا اس کا ثبوت نہیں کہ وہ کوئی درست بات ہے۔ عین ممکن ہے کہ چھپنے کے باوجود وہ ایک بے بنیاد بات ہو۔ اخبار یا میگزین میں چھپنا تو درکنار، حوالہ کی کتاب (ریفرنس بک) میں شاندار طور پر چھپنا بھی اس کی صحت کا کوئی ثبوت نہیں۔

اب اگر تحقیق کی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ ایک سراسر لغو اور بے بنیاد بات ہے۔ طلقاء عربی لفظ طلیق کی جمع ہے۔ اس کے معنی آزاد کے ہوتے ہیں۔ طلقاء کے معنی ہیں آزاد لوگ۔ طلقاء کا یہ لفظی مفہوم مذکورہ بیان کی کھلی تردید ہے۔ کیوں کہ جن لوگوں کو جبراً مسلمان بنایا گیا ہو

ان کا نام طلقاء (آزاد) رکھنا سراسر نا قابل فہم بات ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حقیقی واقعات مذکورہ بیان کی قطعی تردید کرتے ہیں۔ اسلام کی تاریخ میں الطلقاء کن لوگوں کو کہا گیا تھا، یہ ایک معلوم اور مشہور واقعہ ہے۔ اصل یہ ہے کہ نبوت کے بیس سال بعد مکہ فتح ہوا۔ اس وقت یہاں کے تمام سردار آپ کے پاس لائے گئے۔ یہ لوگ مسلمہ طور پر جنگی مجرم کی حیثیت رکھتے تھے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے ان کے خلاف کوئی انتقامی کاروائی نہیں کی۔ اور نہ ان کے ساتھ تشدد کا کوئی معاملہ کیا۔ اس کے بجائے آپ نے ان لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اذهبوا فأنتم الطلقاء (البداية والنهاية لابن كثير، الجزء الرابع صفحہ ۳۰۱) یعنی جاؤ، پس تم لوگ آزاد ہو۔

اس مثال سے اندازہ ہوتا ہے کہ المنجد میں چھپی ہوئی بات اصل واقعہ کے سراسر خلاف ہے۔ مگر اس کا غلط اور بے بنیاد ہونا صرف اس وقت معلوم ہوگا جب کہ علمی اصول کے مطابق اس کی تحقیق کی جائے۔ اس بیان کا غلط ہونا المنجد کے صفحات میں نہیں ملے گا بلکہ اس خارجی مواد میں ملے گا جو اس بیان سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، الطلقاء کی لغوی اور تاریخی تحقیق سے نہ کہ صرف المنجد کے مذکورہ صفحہ کے پڑھنے سے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب بھی کوئی آدمی ایک سنگین بات کو سنے یا پڑھے تو اس کو ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ وہ اس کو سن کر یا پڑھ کر مان لے اور اس کو لوگوں کے درمیان پھیلانے لگے۔ اگر آدمی کے اندر اللہ کا ڈر ہے تو اس کو اللہ کی پکڑ کے اندیشے سے ایسے فعل سے بچنا چاہئے۔

قرآن وحدیث کے مطابق یہ ایک مجرمانہ فعل ہے۔ کوئی آدمی اگر سنی یا پڑھی ہوئی خبر کی تحقیق نہ کرنا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ چپ رہے نہ کہ وہ بلا تحقیق بولنے لگے۔ ایسی حالت میں چپ رہنا تو آدمی کے لئے قابل معافی ہو سکتا ہے مگر بولنا ہرگز اس کے لئے قابل معافی نہیں۔

بری خبر کی تحقیق کرنا فرض ہے، اور بری خبر کو تحقیق کے بغیر بیان کرنا حرام ہے۔ مگر بہت کم لوگ ہیں جو شریعت اسلامی کے اس اہم مسئلہ کو جانتے ہوں۔

ایک خط

برادر محترم مولانا جمیل احمد صاحب　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۹۹ املا، جو ۱۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ آپ جماعت کے ایک سینئر رکن اور اس کے ایک ذمہ دار فرد ہیں۔ اس لئے میں نے آپ کے اس خط کو خصوصی اہمیت دی اور اس کو کئی بار پڑھا۔ تاہم آپ نے جو کچھ لکھا ہے اس سے میری تشفی نہ ہو سکی۔ آپ نے اپنے خط میں جو کچھ فرمایا ہے وہ علمی اور دینی دونوں اعتبار سے میرے نزدیک بے وزن ہیں۔ اس سلسلہ میں اپنے احساسات زیر نظر خط کی صورت میں آپ کو روانہ کر رہا ہوں۔

۱۔ آپ نے میرے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ "آپ کے فکر وخیال کے خلاف کوئی بات کہی جائے تو آپ طیش میں آجاتے ہیں اور چراغ پا ہو جاتے ہیں"۔ میں کہوں گا کہ یہ بات بالکل خلاف واقعہ ہے۔ اصل حقیقت برعکس طور پر یہ ہے کہ میں اپنے خلاف تنقید کو بے حد پسند کرتا ہوں۔ میں اکثر حضرت عمر فاروق کے اس قول کو دہراتا ہوں کہ رحم الله امرأ اهدى الي عيوبي۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ میرے ایک قریبی رفیق مولانا انیس لقمان ندوی میرے ساتھ تقریباً ۸ سال تک تھے۔ ۲ سال پہلے وہ عرب امارات چلے گئے۔ پہلی بار جب وہ وہاں گئے تو ایک عرب شیخ نے ان سے پوچھا کہ تم ہندستان میں کیا کرتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا: أنا ناقد اكبر ناقد في الهند۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ تنقید میرے لئے ایک محمود چیز ہے نہ کہ کوئی مبغوض چیز۔

۲۔ آپ نے نام لئے بغیر بمبئی کے کسی صاحب کا میرے بارے میں یہ ریمارک نقل کیا ہے کہ انھوں نے الرسالہ کے کچھ شمارے پڑھ کر یہ کہا کہ اس کی ترتیب دینے والے کا ایگو (ego) بہت پھولا ہوا ہے۔ میں کہوں گا کہ اس معاملہ میں انصاف کی بات یہ تھی کہ

آپ : هاتو برهانکم ان کنتم صادقین (البقرہ ۱۱۱) کے قرآنی اصول پر مذکورہ صاحب سے پوچھتے کہ الرسالہ سے اس کی کوئی مثال بتایئے تاکہ اس پر غور کیا جاسکے۔ مثال کے بغیر اس طرح کا مخالفانہ ریمارک (adverse remark) دینا بھی غیر اسلامی ہے اور اس کو نقل کرنا بھی غیر اسلامی۔ البخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں یہ روایت آئی ہے کہ: البینة علی المدعی۔ اس کے مطابق، آپ کے یا بمبئی والے صاحب کے اوپر یہ لازمی ذمہ داری ہے کہ واضح مثال کے ذریعہ اپنے اس دعویٰ کو ثابت (establish) کریں۔ اس کے بغیر آپ کا یا کسی کا ایسا کہنا صرف ایک الزام ہے۔ اور بے دلیل الزام کو اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے۔

مزید یہ کہ ایگو (ego) خود ایک اضافی لفظ (relative term) ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص شدت تاثر یا یقین (conviction) کے تحت ایک بات کہتا ہے اور سننے والا اس کو برے مفہوم میں ego کا مظہر قرار دے دیتا ہے۔

ایسی حالت میں کسی کے لئے اس قسم کا الزام لگانا ہی درست نہیں۔ یہ نیت سے تعلق رکھنے والی ایک بات ہے۔ اور نیت کا علم صرف خدا کو ہے۔ مثال کے طور پر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب عرب میں ارتداد کا فتنہ پھیلا تو خلیفہ اول ابو بکر صدیق نے فرمایا: اینقص الدین وانا حی۔ اگر صرف ظاہر الفاظ کے تحت دیکھا جائے تو اس جملہ کے بارے میں بھی خدانخواستہ عین وہی بات کہی جاسکتی ہے جو بمبئی والے صاحب نے مرتب الرسالہ کے بارے میں فرمائی۔ اصل یہ ہے کہ اس قسم کے کلمات حمایت حق کے شدید جذبہ کے تحت نکلتے ہیں نہ کہ ذاتی بڑائی کے احساس کے تحت۔ جو لوگ اس فرق کو نہیں جانتے وہی اس معاملہ میں شبہات میں پڑ سکتے ہیں۔

۳۔ آپ کے لئے زیادہ صحیح طریقہ یہ تھا کہ میری چھپی ہوئی تحریروں اور وضاحتوں کو بنیاد بنا کر اظہار رائے فرمائیں مگر عجیب بات ہے کہ آپ نے زیادہ تر زبانی گفتگوؤں کو اپنے دعووں کی بنیاد بنایا ہے حتی کہ پانچ سال اور دس سال پہلے کی گفتگو تک کو۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ زبانی گفتگو کبھی بھی کوئی معتبر بنیاد نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہمیشہ ایسا

ہوتا ہے کہ کہنے والا کچھ کہتا ہے اور نقل کرنے والا اس کو کسی اور شکل میں نقل کرتا ہے۔ معاف کیجئے گا آپ بھی اس معاملہ میں استثناء نہیں ہیں جس کا ایک ثبوت خود آپ کا زیر نظر خط ہے۔ مثلاً الرسالہ فروری ۱۹۹۹ (صفحہ ۳۴) میں ایک حدیث کا ترجمہ شائع کیا گیا تھا۔ آپ نے اپنے خط میں اس کا حوالہ دیا ہے۔ اگر آپ اپنے خط کو الرسالہ کے مذکورہ صفحہ سے ملا کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ نے نقل کرنے میں اس کو کچھ کا کچھ کر دیا ہے۔ مثلاً آپ نے اپنے خط میں رسولؐ اللہ کے ایک قول کو اس طرح نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''شبہات سے بچنا اور بچانا چاہئے''۔

الرسالہ کے مذکورہ مضمون میں رسولؐ اللہ کے قول کا ترجمہ ان الفاظ میں دیا گیا تھا ''شیطان آدمی کے اندر خون کی گردش کی طرح دوڑتا ہے'' (صفحہ ۳۴)۔ مگر آپ نے اپنے خط میں (غالباً حافظے سے) اس کے بجائے یہ الفاظ لکھ دئے کہ آپ ﷺ نے کہا کہ ''شبہات سے بچنا اور بچانا چاہئے''۔ آپ جب ایک پڑھی ہوئی بات کو نقل کرنے میں اتنی بڑی بھول کر سکتے ہیں تو ایک سنی ہوئی بات کو نقل کرنے میں یقیناً آپ اس سے کہیں زیادہ بڑی غلطی کریں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آدمی کے پاس اگر صرف زبانی گفتگو یا سنی ہوئی بات کی دلیل ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ چپ رہے نہ کہ ایسی کمزور دلیل پر اپنے دعویٰ کی بنیاد کھڑی کرنے کی کوشش کرے۔

۴۔ ''تصویری فتنہ'' کے بارے میں الرسالہ میں کئی مضامین چھپ چکے ہیں۔ ان مضامین کو پڑھ کر بیشتر قارئین نے اس معاملہ میں مکمل اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ آپ نے الرسالہ میں شائع شدہ دلائل کا کوئی علمی تجزیہ کئے بغیر ان کو بلا ثبوت ناکافی قرار دیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ''میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو واضح انداز میں تردید کرنا ضروری تھا''۔ آپ کی اس بات کا جواب میں نے ۷ اپریل کی ملاقات میں دیا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ قرآن کے حکم اور حضرت عائشہ کی نظیر کے مطابق، میری مذکورہ تردید ہی اس معاملہ میں میری کامل براءت کے لئے کافی ہے۔ آپ یا آپ جیسے لوگ جو اس معاملہ میں براہ راست تردید کا مطالبہ کر رہے ہیں ان سے میں ایک

سوال کروں گا۔ جیسا کہ میں اس سے پہلے الرسالہ مارچ ۱۹۹۹ میں حوالوں کے ساتھ لکھ چکا ہوں۔ آپ کے معیار کے مطابق اس معاملہ کی براہ راست اور عریاں تردید نہ حضرت عائشہ صدیقہ نے کی اور نہ خود اللہ تعالیٰ نے۔ قرآن میں اس کی بابت صرف یہ کہا گیا کہ الذین جائوا بالافك (النور ۱۱) اور اسی پر بات ختم ہو گئی۔ ایسی حالت میں فرمائیں کہ آپ لوگوں کا حضرت عائشہ صدیقہ کی براءت کے بارے میں کیا خیال ہے؟

آپ لوگوں کا یہ کہنا کہ میری تردید کے باوجود یہ مسئلہ ابھی باقی ہے، سراسر ایک غیر اسلامی اور غیر دینی بات ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا واقعہ اس معاملہ میں ایک مستقل اسلامی نظیر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نظیر کے مطابق میں اپنے بارے میں کہتا ہوں کہ یہ سراسر افک ہے۔ پھر آپ لوگ اس سے مطمئن ہو کر کیوں نہیں یہ اعلان کرتے کہ اس معاملہ میں خود آپ حضرات غلطی پر تھے نہ کہ میں۔ گویا کہ یہاں اصل مسئلہ اعتراف تردید کا ہے نہ کہ خود تردید کا۔ ایسی حالت میں برعکس طور پر خود آپ حضرات مسئول قرار پارہے ہیں۔

۵۔ آپ نے میری طرف یہ قول منسوب کیا ہے کہ میں نے کہا کہ "ایک بدنام اخبار میں میرے بارے میں چھپی ہوئی ایک رپورٹ کو آپ لوگوں نے پھیلانا شروع کر دیا۔ وہی اخبار آپ کی جماعت کے بارے میں لکھے کہ وہ پاکستان کی ایجنٹ ہے اور مسلم مدرسے ISI کا اڈا ہیں تو کیا آپ لوگ اس کو بھی اسی طرح شائع کریں گے"۔ آپ نے میری یہ بات نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہاں، ہم نے اسے پہلے بھی شائع کیا ہے اور آئندہ بھی کریں گے، اس کی تردید کریں گے۔

معاف کیجئے، آپ نے میری بات کو صحیح طور پر نقل نہیں فرمایا۔ میں نے یہ کہا تھا کہ مذکورہ ہندی اخبار میں میرے خلاف ایک بات چھپی تو آپ نے اس کو درست سمجھ کر بلا تردید اس کو خوب پھیلانا شروع کر دیا۔ اسی طرح اس اخبار میں آپ کی جماعت کے خلاف الٹی باتیں چھپتی رہتی ہیں تو کیا ان باتوں کو بھی آپ درست مان لیں گے اور ان کو بلا تردید ہر طرف پھیلانا شروع کر دیں گے۔ مخالفانہ بات کو تردید کے طور پر تو ہر ایک چھاپتا ہے۔ اصل مسئلہ اس کو

تصدیق کے طور پر چھاپنا ہے۔ میرا مطلب یہ تھا کہ اپنے خلاف بات ہو تو آپ اس کو تردید کے طور پر چھاپیں گے۔ اور میرے خلاف بات تھی تو اس کو آپ نے تصدیق کے طور پر پھیلانا شروع کر دیا۔

آپ کی یہ بات سخت مغالطہ انگیز ہے۔ ظاہر ہے کہ میرا مدعا ان باتوں کو تردیدی طور پر شائع کرنے سے نہیں تھا بلکہ تصدیقی طور پر شائع کرنے سے تھا، جیسا کہ آپ حضرات نے میرے ساتھ کیا۔ یعنی جو کچھ ہندی اخبار نے لکھ دیا اس کو مان کر ایک واقعہ کے طور پر اس کو چھاپنا اور دنیا کو یہ بتانا کہ دیکھو ہم ویسے ہی ہیں جیسا کہ ہندی اخبار نے ہمارے بارے میں چھاپا ہے۔ آپ کی یہ سادگی ناقابل فہم حد تک حیرت انگیز ہے کہ آپ نے تردیدی اشاعت اور تصدیقی اشاعت کے فرق کو نہیں سمجھا اور میری طرف مذکورہ قسم کی لغوبات منسوب کر دی جس کی لغویت کو سمجھنے کے لئے کامن سنس کا استعمال ہی کافی ہے۔

٦۔ میں نے کہا تھا کہ فوٹو گرافی کے اس زمانہ میں کسی بھی شخص کی تصویر کسی بھی انداز سے چھاپی جا سکتی ہے۔ خود آپ کی جماعت کی شخصیتوں کی تصویریں بھی اسی طرح اخباروں میں چھپ سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ عدالتوں میں تصویر کو شہادت (evidence) کے طور پر قبول نہیں کیا جاتا۔ تصویر کسی بات کو ثابت کرنے کے لئے کوئی معتبر ذریعہ نہیں۔ (تصویری فتنہ کے معاملے کو سمجھنے کے لئے ملاحظہ ہو، سفر نامہ اسپین و فلسطین صفحہ ۱۷۲۔ الرسالہ، فروری ۱۹۹۹، صفحہ ۳۷-۳۸)۔

اس پر آپ نے لکھا ہے کہ ”ہمیں یہ چیلنج قبول ہے۔ اور اگر ہماری شخصیتوں کے بارے میں ایسی کوئی چیز چھپتی ہے تو ہم اس کو اپنے اخباروں میں چھاپیں گے اور اس کی تردید کریں گے“۔

یہاں بھی آپ نے میری بات غلط طور پر نقل فرمائی ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ نے میرے بارے میں ایک بدنام اخبار میں چھپی ہوئی تصویر کو درست سمجھ کر اس کو بلا تردید اپنے اخباروں میں چھاپنا شروع کر دیا تاکہ مجھ کو بدنام کریں۔ جب کہ یہ اخبارات آپ کی جماعت

کی شخصیتوں کے خلاف ایسی تصویر شائع کریں تو آپ اس کو تردید کے ساتھ چھاپیں گے۔ آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ ایک چیز کو تصدیق کے طور پر چھاپنا اور اس کو تردید کے طور پر چھاپنا دونوں الگ الگ باتیں ہیں۔ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

۷۔ قرآن کی زبان میں ایک شئ (الجاثیہ ۹) کو لے کر بدنامی کی مہم چلانا ہر ایک کے خلاف ممکن ہے۔ مگر میں نے ہمیشہ اس سے پرہیز کیا۔ اگر میں چاہتا تو آپ کی جماعت کے لوگوں کی طرح میں بھی یہ کام کر سکتا تھا۔ مثال کے طور پر آپ کی جماعت کے اخبار دعوت (۲۵ جنوری ۱۹۹۷) میں ایک معروف شخصیت کا انٹرویو بقول اخبار "افادۂ عام کی غرض سے" شائع کیا گیا۔ اس میں ہندستان اور یہاں کے اکثریتی فرقہ کے بارے میں یہ الفاظ درج تھے "میں تو پورے یقین و اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر مسلمان نہ ہوتے تو یہ ملک عذاب الٰہی کا نشانہ بن جاتا اور اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا ہوتا" (صفحہ ۶)۔ میرے لئے یہ ممکن تھا کہ میں جماعت کے اخبار میں چھپے ہوئے اس بیان کو لے کر اس کو ہندوؤں میں خوب پھیلاؤں اور ہندوؤں سے کہوں کہ دیکھو تمہارے بارے میں جماعت کے لوگ کیسی بری باتیں چھاپتے ہیں، مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔

اسی طرح دہلی کے انگریزی اخبار ٹائمس آف انڈیا (۲۵ جنوری ۱۹۹۹) میں آپ کی جماعت کے بانی کے صاحبزادہ جناب حیدر فاروق مودودی کا ایک انٹرویو چھپا۔ اس میں انھوں نے یہ انکشاف کیا کہ ان کے والد کا رویہ منشیات کے تاجر (drug peddler) جیسا تھا۔ وہ اپنے بچوں کو اس چیز کے قریب بھی نہیں آنے دیتے تھے جس کی وہ مسلمانوں میں عمومی اشاعت کر رہے تھے۔ (صفحہ ۱۴) میرے لئے یہ ممکن تھا کہ بانیٔ جماعت کے صاحبزادہ کے اس انٹرویو کو لے کر مسلمانوں میں خوب پھیلاؤں اور اس کو جماعت کی بدنامی کے لئے استعمال کروں۔ مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ میں اس قسم کے کام کو نہ صرف غیر اسلامی سمجھتا ہوں بلکہ وہ میرے نزدیک انسانی شرافت کے بھی خلاف ہیں۔

۸۔ آپ نے میرے بارے میں لکھا ہے کہ میں نے ایک گفتگو کے دوران یہ کہا تھا کہ

"توحید کو ثابت کرنے اور شرک کو باطل قرار دینے پر میں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اتنا مولانا علی میاں نے بھی نہیں لکھا، مولانا مودودی نے بھی نہیں لکھا"۔

میں عرض کروں گا کہ آپ کا یہ بیان بلاشبہ مغالطہ آمیز ہے۔ اول یہ کہ میں نے یہ بات مطلق طور پر نہیں کہی تھی بلکہ اپنے دفاع میں کہی تھی۔ آپ کی جماعت کے لوگوں نے انتہائی شرمناک جسارت کے طور پر نعوذباللہ میرے اوپر شرک کا الزام لگایا جس کا میں خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتا۔ میں نے اس کے جواب میں ۷ اپریل کی ملاقات میں آپ کو خود آپ کی جماعت کے ماہنامہ زندگی (رمضان ۱۳۷۸ھ) میں چھپا ہوا اپنا ایک مضمون دکھایا تھا جو شرک کے خلاف تھا۔ میں نے کہا تھا کہ مطبوعہ ریکارڈ کے مطابق تقریباً ۴۵ سال سے میں شرک کی تردید اور توحید کے اثبات پر کام کرتا رہا ہوں۔ یہی میرا مشن ہے اور یہی میری حیثیت عرفی ہے۔ پھر آپ کی جماعت کے لوگوں کو کیسے یہ جسارت ہوئی کہ ایسے ایک آدمی کے خلاف ایک جھوٹے شوشہ کو لے کر اتنا بڑا بہتان کھڑا کریں۔

دوسرے یہ کہ میں نے یہ بات مقدار (quantity) کے اعتبار سے نہیں کہی تھی بلکہ اس اعتبار سے کہی تھی کہ موجودہ زمانہ میں ہر نظریہ یا فکر کو سائنٹفک دلائل سے جانچا جاتا ہے۔ اس زمانی رجحان کی بنا پر میں نے طویل محنت کے ذریعہ علوم جدیدہ کا مطالعہ کیا اور پھر جدید دلائل و حقائق کے ذریعہ توحید کو خالص علمی بنیاد پر ایک ثابت شدہ حقیقت بنانے کی کوشش کی۔ اسی طرح شرک والحاد کو جدید دلائل و حقائق کی روشنی میں خالص علمی طور پر ایک بے اصل اور تباہ کن نظریہ قرار دیا۔ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ اس موضوع پر عصری اسلوب میں راقم الحروف نے جتنا کام کیا ہے آپ کی جماعت کے کسی بھی عالم یا مفکر نے نہیں کیا۔ ایسی حالت میں آپ کی جماعت کے لوگوں کا میرے اوپر مذکورہ قسم کا بے ہودہ الزام لگانا شریعت اسلامی کے خلاف بھی ہے اور علم و عقل کے خلاف بھی۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ کی جماعت کے لوگ قرآن کی اس تعلیم کو اپنے سامنے رکھتے

کہ : لا یجرمنکم شنآن قوم علیٰ الا تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقوی (مائدہ ۸) تو ان کے لئے درست رویہ یہ تھا کہ وہ حضرت ابوایوب انصاری کے فارمولے پر عمل کرتے۔

قدیم مدینہ میں جب حضرت عائشہ صدیقہ پر ایک مکروہ الزام لگایا گیا تو حضرت ابوایوب انصاری اپنے گھر آئے۔ ان کی بیوی نے کہا کہ آپ نے سنا کہ عائشہ کے بارے میں کیا باتیں کہی جارہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہاں میں نے سنا، مگر وہ جھوٹ ہے۔ پھر انہوں نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ کیا تم ایسا کروگی۔ بیوی نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس کے بعد حضرت ابوایوب انصاری نے کہا: فعائشة واللّٰه خير منكِ (سیرۃ ابن ہشام، ۳/ ۳۴۷)

آپ کی جماعت کے لوگ اگر واقعۃً سنجیدہ ہوتے تو وہ یہ کرتے کہ اپنے آپ پر قیاس کرتے ہوئے وہ پہلے ہی مرحلہ میں اس کو رد کر دیتے، کجا کہ وہ اس افک کی اشاعت اور تشہیر میں مددگار بن جائیں۔

۹۔ مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے کہ کوئی شخص میرے اوپر علمی تنقید کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ علمی تنقید کسی سماج کا سب سے زیادہ صحت مند عمل ہے مگر بدقسمتی سے آپ کی جماعت کے بانی نے ایک غلط روایت قائم کی۔ وہی روایت آج تک آپ کی جماعت میں چلی جارہی ہے۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ ۶۳۔۱۹۶۲ میں تقریباً دو سال تک آپ کی جماعت کے بانی سے میری خط و کتابت ہوئی۔ میں نے یہ چاہا کہ وہ اپنے سلسلے میں میرے تنقیدی افکار کا علمی جواب دیں۔ مگر میرے اصرار کے باوجود انہوں نے علمی تنقید کے بجائے شخصی تعییب (عیب زنی) کی روش اختیار کی۔ حالانکہ قرآن میں تعییب کو اہل باطل کا شیوہ بتایا گیا ہے (حم السجدہ ۲۶) آپ کی جماعت کے بانی نے کس طرح میری تعییب کی اس کو آپ راقم الحروف کی کتاب تعبیر کی غلطی میں "ضمیمہ" کے تحت دیکھ سکتے ہیں۔

بدقسمتی سے آپ کی جماعت اپنے بانی کی اسی روایت پر چل پڑی۔ ان کے لئے موقع تھا کہ وہ میری تنقید کا علمی جواب دیں۔ مگر علمی جواب کا راستہ چھوڑ کر انہوں نے عیب جوئی اور

الزام تراشی کا طریقہ اختیار کیا۔اس کی تازہ ترین کڑی تصویر کا حالیہ فتنہ تھا۔

۱۰۔ آپ نے میری ۷ اپریل کی گفتگو کو اپنے خط میں جس طرح نقل کیا ہے، اس طرح تو وہ درست نہیں۔ مگر یہ صحیح ہے کہ میں نے آپ کی جماعت کی موجودہ روش پر اظہار خیال کرتے ہوئے غالباً بعض سخت الفاظ استعمال کیے تھے۔ مگر آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے اسی وقت یہ بھی کہا تھا کہ آپ لوگوں نے میرے اوپر ظلم کیا ہے۔اور قرآن کے مطابق مظلوم کو جہر بالسوء کا حق دیا گیا ہے۔ یہ بات قرآن کے چھٹے پارہ کی پہلی آیت میں آئی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: اللہ کو پسند نہیں کسی کی بری بات کا ظاہر کرنا مگر جس پر ظلم ہوا ہو۔اور اللہ ہے سننے والا اور جاننے والا۔ (ترجمہ شیخ الہند)

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ علمی تنقید اور بدنامی کی مہم میں نمایاں فرق ہے۔ میں نے آپ کی جماعت کے معلوم افکار پر علمی تنقید کی۔اس تنقید کو آپ ظلم نہیں کہہ سکتے۔ مگر آپ کی جماعت کے لوگوں نے ایک جھوٹے شوشہ کو لے کر میری بدنامی کی مہم چلائی۔ یہ بلاشبہہ میرے دین اور میری عزت پر ناروا حملہ تھا۔ اس لئے اس معاملہ میں آپ لوگ بلاشبہہ ظالم ہیں اور میں بلاشبہہ مظلوم۔ایسی حالت میں اگر میں آپ کی جماعت کے لوگوں کے بارے میں کبھی سخت لہجہ اختیار کروں تو قرآن کے مطابق، وہ میرے لئے جائز ہو گا۔اگرچہ اپنے مزاج کی بنا پر میں عام طور پر ایسا نہیں کرتا۔ میں ہمیشہ یہ کوشش کرتا ہوں کہ اپنی بات کو علمی دلائل کے ذریعہ کہوں۔اور دوسرے کے نقطۂ نظر سے اگر مجھے اختلاف ہے تو اس کو خالص علمی بنیاد پر رد کروں۔

۱۱۔ آدمی اپنی غلط بات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کس طرح حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرتا ہے، اس کا ایک نمونہ آپ کا یہ خط بھی ہے۔ آپ نے اپنے اس خط میں الرسالہ کی ایک عبارت نقل فرمائی ہے اور اپنے غلط موقف کو درست ثابت کرنے کے لئے اس کو کچھ کا کچھ کر دیا ہے حتی کہ خود رسول اللہ ﷺ کے قول کو غلط شکل میں نقل فرمایا ہے۔ آپ کے خط کی عبارت اور الرسالہ میں چھپے ہوئے مضمون کا متعلقہ حصہ دونوں یہاں آمنے سامنے کالم کے روپ میں

نقل کئے جارہے ہیں:

آپ کے خط کی عبارت

آپ نے الرسالہ مارچ 1999 کے شمارے میں لکھا کہ حضرت عائشہ سے حضور نے ازراہ شفقت و ہمدردی پوچھا کہ واقعہ کیا ہے؟اگر تم ملوث ہوئی ہو تواللہ سے توبہ کرو ورنہ واقعہ کی تردید کرو۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اللہ کے نبی نہ دین کے تقاضوں سے بے خبر تھے نہ بدنام کرنا مقصود تھا بلکہ خود آپ کے الفاظ میں حضور کا یہ عمل ازراہ شفقت تھا۔ (صفحہ ۶)

الرسالہ کی مطبوعہ عبارت

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ قصہ بہت بڑھا تو رسول اللہ ﷺ ازراہ شفقت حضرت عائشہ کے پاس آئے اور فرمایا کہ اے عائشہ تم کو وہ بات پہنچ چکی ہے جو کہ لوگ کہہ رہے ہیں پس تم اللہ سے ڈرو۔ اگر تم اس برائی میں پڑی ہو جیسا کہ لوگ کہہ رہے ہیں تو اللہ سے توبہ کرو۔ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت عائشہ بے اختیار رونے لگیں۔ (الرسالہ مارچ 1999 صفحہ ۴۸)

ان دونوں عبارتوں کو تقابلی طور پر پڑھئے۔ آپ پائیں گے کہ آپ نے اپنے غلط موقف کو درست ثابت کرنے کے لئے شعوری یا غیر شعوری طور پر، ایک مجرمانہ جسارت کی ہے۔ آپ نے اپنی خود ساختہ بات کو حدیث نبوی میں شامل کر دیا۔ آپ نے خلاف واقعہ طور پر رسول اللہ ﷺ کی طرف یہ قول منسوب کر دیا کہ آپ نے حضرت عائشہ سے یہ فرمایا کہ "ورنہ تم واقعہ کی تردید کرو۔" حالانکہ اصل میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ سے صرف یہ فرمایا تھا کہ "تو تم اللہ سے توبہ کرو"۔ آپ نے ناقابل فہم جسارت کے ساتھ اپنی طرف سے اس میں یہ الفاظ شامل کر دئے کہ "تم واقعہ کی تردید کرو"۔

دوسری بات یہ ہے کہ الرسالہ کے مضمون میں آگے یہ درج تھا کہ: لمبے انتظار کے بعد آخر کار سورہ النور اتری مگر قابل لحاظ بات یہ ہے کہ خود سورہ النور میں بھی براہ راست تردید کا وہ

طریقہ اختیار نہیں کیا گیا جس کا مطالبہ الزام لگانے والوں کی طرف سے کیا جارہا تھا (صفحہ ۴۸)

معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ سے "تردید" کا مطالبہ خدانخواستہ رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ مطالبہ اگر کیا جارہا تھا تو ان منافقین کی طرف سے کیا جارہا تھا جو نعوذ باللہ حضرت عائشہ کو بدنام کرنے کی مہم میں پیش پیش تھے۔ آپ کی یہ جسارت میرے لئے ناقابل فہم ہے کہ الرسالہ مارچ ۱۹۹۹ میں جو بات الزام لگانے والے منافقین کے بارے میں کہی گئی تھی اس کو آپ نے نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کردیا، صرف اس لئے تاکہ آپ اپنی جماعت کے لوگوں کی کھلی سرکشی کے حق میں ایک جھوٹا جواز فراہم کرسکیں۔

۱۲۔ آپ نے لکھا ہے کہ جب کوئی شبہہ پیدا ہوجائے تو اس کی تردید کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ تردید کا جو مطلوب شرعی طریقہ ہے اس کے مطابق، میں مکمل طور پر اس کی تردید کرچکا ہوں۔ اب معاملہ تردید کا نہیں ہے بلکہ تردید کو قبول کرنے کا ہے۔ اگر مطالبہ کرنے والے کے اندر قبولیت کا مزاج نہ ہو تو تردید کے باوجود وہ اپنے الزام کو دہراتا رہے گا اور یہ دعویٰ کرے گا کہ ابھی تک اس کی تردید نہیں ہوئی۔ مثال کے طور پر آپ نے اپنے خط میں M..N. Roy کی کتاب ہسٹاریکل رول آف اسلام کا ذکر کیا ہے۔ نزول قرآن کے زمانہ میں کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ قرآن خود محمدؐ کا اپنا کلام ہے۔ قرآن میں اس کی تردید کی گئی اور بتایا گیا کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ اس کے باوجود M. N. Roy (اور دوسرے بہت سے لوگ) بدستور یہ کہے چلے جارہے ہیں کہ قرآن محمدؐ کا کلام ہے۔

یہی معاملہ آپ کی جماعت کے لوگوں کا ہے۔ مذکورہ معاملہ میں میں نے قرآن کے اسلوب اور حضرت عائشہ صدیقہ کی سنت کے مطابق مکمل طور پر اس کی تردید کردی۔ یہ تردید ان ہزاروں لوگوں کے لئے کافی ہوگئی جن کو مجھے بدنام کرنے سے دلچسپی نہیں تھی۔ مگر آپ کی جماعت کے لوگ جو دلیل کے میدان میں ہار چکے ہیں اور اپنی اس ہاری ہوئی بازی کو الزام تراشی کے میدان میں جیتنا چاہتے ہیں، انھوں نے یہ کہہ دیا کہ یہ تردید ناکافی ہے۔ شاید، صرف اس لئے

تا کہ وہ شبہات ڈالنے اور الزام لگانے کی اپنی مکروہ مہم کو بدستور جاری رکھ سکیں، اور اس طرح وہ اپنی غلطی کے اعتراف سے بچے رہیں۔

آپ نے اپنی جماعت کے اخباروں کی صفائی پیش کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ بغیر تبصرہ کے ویسی کی ویسی ہی شائع کی۔ اس سلسلہ میں مجھے دو باتیں عرض کرنا ہے۔ ایک یہ کہ اس قسم کی شر انگیز بات کو ویسا ہی نقل کرنا بھی بلاشبہہ ایک گناہ کا فعل ہے۔ یہ اس حدیث کا مصداق ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: كفى بالمرء كذبا ان يحدث بكل ما سمع۔

مزید یہ کہ آپ کا یہ کہنا بالکل خلاف واقعہ ہے کہ آپ کے اخباروں نے مذکورہ تصویر کو "بلا تبصرہ" شائع کیا تھا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ انگریزی ریڈینس (۶۔۱۲ دسمبر ۱۹۹۸) نے ایک مختصر لیکن گمراہ کن کیپشن کے ساتھ اس کو شائع کیا۔ ہندی کانتی (۱۳۔۱۹ دسمبر ۱۹۹۸) نے سخت شرارت آمیز الفاظ کے ساتھ اس کو شائع کیا۔ جہاں تک سہ روزہ دعوت کا تعلق ہے، اس نے اپنے شمارہ ۲۸ دسمبر ۱۹۹۸ میں میرا ایک مضمون تصویری پروپیگنڈا شائع کیا۔ یہ مضمون مختلف اخباروں میں چھپ چکا ہے اور تمام غیر جانب دار لوگوں کے لئے وہ مکمل طور پر اطمینان بخش ثابت ہوا ہے۔ مگر اس مضمون کے آخر میں "دعوت" کی طرف سے ۱۱ سطر کا ایک نوٹ شامل کیا گیا۔ یہ نوٹ بلا شبہ ایک شر انگیز نوٹ تھا۔ کیوں کہ ان کے الفاظ میں راقم الحروف نے اس میں "نفس مسئلہ کو نہیں چھوا"۔

یہ نوٹ پڑھ کر میں نے سوچا کہ قدیم مدینہ میں جن لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ کے ایک قصہ کو لے کر ان کو نعوذ باللہ بدنام کرنے کی کوشش کی وہ موجودہ زمانہ کے لوگوں کے مقابلہ میں کم شریر تھے۔ قرآن میں حضرت عائشہ صدیقہ کے معاملہ کی بابت صرف اتنا کہا گیا کہ وہ افک (بیہودہ) بات ہے۔ اس پر وہ لوگ خاموش ہو گئے۔ حالانکہ اگر وہ ہمارے موجودہ کرم فرماؤں کی طرح ہوتے تو وہ بھی انھیں کی طرح کہہ دیتے کہ نعوذ باللہ "قرآن نے نفس مسئلہ کو نہیں چھوا"۔

۱۳۔ آپ نے لکھا ہے کہ آپ کی جماعت کے اخبارات نے ایک گمراہ کن تصویر کو چھاپ کر مجھے بدنام کرنے کی جو کوشش کی اس پر آپ نے اور جماعت کے بعض دوسرے اصحاب نے ان جماعتی اخباروں کے کارکنوں کی "سرزنش" کی۔ میں عرض کروں گا کہ اس معاملہ میں اس قسم کی ذاتی سرزنش سراسر ناکافی ہے۔ شرعی اصول کے مطابق، آپ کو اپنی سرزنش ان اخبارات کے کالموں میں باقاعدہ چھپوانا چاہئے جنہوں نے اس برائی کو چھاپ کر ہر طرف پھیلایا۔ جو برائی چھاپ کر کی گئی ہو اس کے خلاف سرزنش بھی چھاپ کر ہی کی جاسکتی ہے، خاموش طور پر نہیں۔

آپ نے اور آپ کی جماعت کے جن لوگوں نے اس معاملے میں جماعت کے اخبار والوں کی انفرادی سرزنش کی، ان کے مجرمانہ فعل کے مقابلہ میں اس قسم کی سرزنش کی کوئی اہمیت نہیں۔ غیر اشاعتی جرم کی سرزنش غیر اشاعتی طور پر کی جاتی ہے اور اشاعتی جرم کی سرزنش اشاعتی طور پر۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ایسے ناصحین، قرآن کے الفاظ میں، **یحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا** (آل عمران ۱۸۸) کے مصداق ہیں۔

۱۴۔ آپ نے میرے بارہ میں غضب (غصہ) کی شکایت کی ہے اور یہ اشارہ فرمایا ہے کہ آپ اپنی تحریروں میں سکینت اور روحانیت کا اظہار کرتے ہیں مگر آپ کے اندر میں نے غضب کا جذبہ پایا ہے اور غضب اور روحانیت کا ایک ساتھ جمع ہونا ممکن نہیں۔ میں عرض کروں گا کہ آپ کی یہ بات درست نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ روحانی آدمی کے اندر غضب نہ ہونے کا تصور ایک غیر اسلامی تصور ہے، وہ کوئی اسلامی تصور نہیں۔ اس معاملہ میں صحیح اسلامی تصور یہ ہے کہ آدمی کا غضب صرف حق کے لئے ہو، وہ اپنی ذات کے لئے نہ ہو۔ اس کی تائید میں یہاں میں چند حوالے نقل کرتا ہوں۔

حضرت موسیٰؑ خدا کے پیغمبر تھے مگر قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر غضب کی حالت طاری ہوئی (الاعراف ۱۵۰) اسی طرح اگر آپ حدیث کی کتابوں کو دیکھیں تو اس میں کثرت سے رسول اور اصحاب رسول کے غضب کا ذکر ملے گا۔ اس سلسلہ میں بطور نمونہ صرف

چند مثالیں یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

فغضب رسول الله حتی عرف الغضب فی وجهه (صحیح مسلم، کتاب الفضائل)

فغضب رسول الله غضبا شدیدا (صحیح البخاری، کتاب الاذان)

فغضب ابو بکر (صحیح البخاری، کتاب الادب)

فغضب عمر (صحیح البخاری، کتاب التفسیر)

فغضب علی حتی احمرّ وجهه (النسائی، کتاب الضحایا)

فقالت عائشة وغضبت (مسند احمد)

ان حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر جیسے مؤمن کامل میں بھی غضب کی کیفیت پائی جاتی تھی۔ اب آپ ان پیغمبروں اور ان صالحین کے بارہ میں کیا فرمائیں گے۔ آپ کے خیال کے مطابق، ان کے اندر روحانیت تھی یا نہیں؟

۱۵۔ آپ نے لکھا ہے کہ یہ خط میں الدین النصیحۃ کے جذبہ کے تحت لکھ رہا ہوں۔ آپ نے مجھ کو انانیت کا شکار بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ "اس ۱۰/ ۱۲ سالوں میں آپ کی تحریرات میں یہ کیفیت بڑھتی ہی جارہی ہے۔ خدا کے لئے اس کی فکر اور اصلاح کی کوشش کیجئے۔" عرض ہے کہ آپ کا یہ ارشاد کوئی نصیحت نہیں بلکہ وہ صرف ایک الزام ہے۔ آپ نے میری تحریروں سے میری انانیت کی کوئی مثال نہیں دی۔ ایسی حالت میں آخر میں کس چیز کی اصلاح کروں یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص سے کہا جائے کہ تم مجرم ہو اور تم خود ہی اپنا جرم ثابت کرو۔

نصیحت وہ ہے جس میں غلطی کی واضح اور مدلل نشاندہی کی گئی ہو۔ یہ نصیحت کی لازمی شرط ہے۔ اس کے بغیر جو نصیحت کی جائے اس کو نصیحت کرنا نہیں کہا جائے گا بلکہ ملزم گردانا کہا جائے گا جو برعکس طور پر خود ناصح کو غلط کار ثابت کرتا ہے۔

۱۶۔ آپ نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ "تصویری فتنہ" کے معاملہ میں آپ نے اگر فوری طور پر تردید کردی ہوتی تو یہ معاملہ جماعت کے اخباروں میں نہ آتا۔ چونکہ ہندی اخبار میں اس کی

اشاعت کے بعد فوراً آپ نے اس کی تردید نہیں کی اس لئے یہ معاملہ جماعت کے اخباروں میں آگیا۔ میں عرض کروں گا کہ یہ کوئی سادہ بات نہیں۔ اپنی حقیقت کے اعتبار سے یہ عین وہی چیز ہے جس کو قرآن میں اشاعت فاحشہ (النور ۱۹) کہا گیا ہے۔

عرض ہے کہ میں دہلی میں ۱۹۶۷ سے ہوں۔ اس مدت میں میرے بارے میں ہزاروں بار الرسالہ میں یا ملکی پریس میں "اچھی خبریں" چھپی ہیں مگر آپ کی جماعت کے اخبارات نے کبھی ان کو اپنے صفحات میں شائع کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی، وہ مسلسل ان کا بلیک آوٹ کرتے رہے۔ اس ۴۰ سالہ مدّت میں انہیں ایک بدنام ہندی اخبار میں میرے بارے میں اتفاق سے ایک "بری خبر" مل گئی۔ اس کے بعد آپ کی جماعت کے اخباروں نے ضروری تحقیق کے بغیر اور گمراہ کن نوٹ کے ساتھ اس کو اپنے صفحات میں چھاپ کر پھیلانا شروع کر دیا۔

ماہنامہ الرسالہ کے خبر نامہ میں بار بار ایسی خبریں چھپتی ہیں جو بتاتی ہیں کہ راقم الحروف نے ملک کے اندر اور ملک کے باہر غیر مسلموں کے بڑے بڑے اجتماعات میں اسلام کی نمائندگی کی مگر اس قسم کی دعوتی خبریں آپ کی جماعت کے اخبارات کے نزدیک قابل اشاعت نہ تھیں۔ ملک کے انگریزی اخبارات میں مسلسل میرے ایسے مضامین چھپ رہے ہیں جن میں اسلام کا صحیح تعارف پیش کیا جاتا ہے اور اسلام کے بارے میں غلط فہمیوں کا جواب دیا جاتا ہے۔ مگر یہ خبریں بھی آپ کی جماعت کے اخبارات میں قابل ذکر نہیں قرار پاتیں۔

ملکی پریس اور T.V. میں بار بار میں ایسا کر رہا ہوں کہ اکثریتی فرقہ کے سامنے مسلمانوں کی روشن تصویر پیش کروں اور یہ بتاؤں کہ مسلمان اس ملک کے لئے اثاثہ (asset) کی حیثیت رکھتے ہیں نہ کہ کوئی بوجھ (liability)، اور یہ کہ اس ملک کے مسلمان عملاً یہاں کی نیشنل مین اسٹریم میں ہیں، وہ اس سے الگ نہیں۔

اسلام اور مسلمانوں کے متعلق اس طرح کی بہت سی مثبت باتیں میں مسلسل طور پر ملک کے پرنٹ میڈیا اور الکٹرانک میڈیا میں پیش کرتا رہا ہوں اور اب بھی پیش کر رہا ہوں۔ مگر آپ کی

جماعت کے اخبارات نے ہمیشہ اس کے بارے میں بلیک آؤٹ کا معاملہ کیا۔ اس مدت میں میرے بارے میں ہزاروں اچھی خبریں آتی رہیں مگر انہوں نے اس قسم کی کثیر خبروں کو اپنے صفحات میں جگہ نہیں دی۔ البتہ ایک بدنام ہندی اخبار میں میرے بارے میں اتفاق سے ان کو ایک "بری خبر" ہاتھ آگئی تو وہ اس کو اس طرح پھیلانے لگے جیسے کہ وہ کوئی بڑا کارنامہ انجام دے رہے ہوں۔ یہ سادہ طور پر اشاعتِ خبر نہیں، بلکہ یہ عین وہی چیز ہے جس کو قرآن میں اشاعت فاحشہ (النور ۱۹) کہا گیا ہے۔

۱۷۔ آپ نے لکھا ہے کہ ـــــ "ایک فرد کے تعلق سے یہ بات ہے تو ایک جماعت کے تعلق سے تحقیق کے بغیر باتیں کہنا اور زیادہ شدید تر گناہ ہے"۔ یعنی آپ کے نزدیک فرد کے خلاف کوئی سنگین الزام لگانا چھوٹا گناہ ہے اور "جماعت" کے خلاف الزام لگانا زیادہ بڑا گناہ۔

میرے نزدیک یہ تقسیم درست نہیں۔ قرآن وحدیث میں مجھے کوئی ایسا حکم نہیں ملا جس سے یہ تفریق ثابت ہوتی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا اور رسول کے نزدیک ایک انسان کی عزت اتنی ہی اہم ہے جتنی سارے انسانوں کی عزت اہم ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ: جس نے ایک انسان کو ناحق قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر ڈالا (المائدہ ۳۲)

حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كل المسلم على المسلم حرام عرضه وماله (الترمذی، کتاب البر، ۱۸) اسی طرح روایت میں آیا ہے کہ ایک صحابی مکہ میں کعبہ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کعبہ کی طرف دیکھا اور اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ما أعظمك وأعظم حرمتك والمؤمن اعظم حرمة عند الله منك ۔ (ابن ماجہ، کتاب الفتن)۔

آپ حضرات نے جو جماعت بندی کی ہے وہ امت کے اندر ایک اور امت بنانا ہے۔ یہ خود ایک غیر اسلامی فعل ہے۔ کجا کہ اس کی بنیاد پر جماعت کو خصوصی اعزاز کا مستحق سمجھا جائے۔

۱۸۔ آپ نے مجھ کو خدا پرست کے بجائے خود پسند ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو آدمی

خدا پرست ہو وہ صرف خدا کی کبریائی کا قائل ہو گا۔ اللہ نے اگر دین کی خدمت کے مواقع نصیب کئے ہیں تو اس کی شکر گزاری میں زبان تر رہنی چاہئے نہ کہ اپنی بڑائی کے بیان کرنے میں۔

آپ کا یہ ریمارک آخری حد تک خلاف واقعہ ہے۔ میری تحریروں کو پڑھنے والے عام طور پر اس کا اقرار کرتے ہیں کہ میری تحریروں میں سب سے زیادہ جس چیز کا ذکر ہوتا ہے وہ اللہ کی بڑائی اور آخرت کی فکر ہے۔ آپ میری کسی بھی تحریر کو دیکھیں تو اس میں یہ پہلو نمایاں طور پر نظر آئے گا۔ حتی کہ اس موضوع پر ۲۲۸ صفحات پر مشتمل میری ایک مستقل کتاب "اللہ اکبر" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ پھر آخر آپ کے پاس وہ کون سے شواہد ہیں جن کی بنیاد پر آپ نے میرے خلاف اتنا بڑا ریمارک دیا ہے کہ میں اپنی ذاتی بڑائی میں گم رہتا ہوں۔

میں نے اپنی تحریروں میں بار بار یہ لکھا ہے کہ خدا پر ایمان کوئی لفظی تکرار کی بات نہیں، یہ سب سے زیادہ عظیم حقیقت کی ڈسکوری ہے۔ یہ خدا کی کبریائی کے مقابلہ میں اپنے صغیر ہونے کو دریافت کرنا ہے، یہ خدا کے ہے کے مقابلہ میں اپنے نہیں کو جان لینا ہے۔ مومن وہ ہے جو اس حقیقت کو پالے کہ خدا قادر مطلق ہے اور میں عاجز مطلق۔ جو آدمی اس حقیقت سے آگاہ ہو جائے وہ انسانِ اصلی (man cut to size) بن جاتا ہے جس کا دوسرا نام تواضع اور فروتنی ہے۔ اگر میں یہ کہوں تو شاید مبالغہ نہ ہو گا کہ یہ جو بات آپ نے میرے بارے میں فرمائی ہے وہ سراسر بے بنیاد ہے۔ میرے مضامین جو خلق کے علم میں ہیں اور میرے صبح وشام جو خدا کے علم میں ہیں، دونوں آخری حد تک اس کی تردید کرتے ہیں۔

۱۹۔ آپ اور آپ کی جماعت کے دوسرے لوگ معصومانہ طور پر مجھ سے یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ میں اس واقعہ کی برہنہ تردید کروں۔ مگر میں کہوں گا کہ یہ برہنہ تردید کا معاملہ نہیں بلکہ برہنہ اعتراف کا معاملہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ حضرات کا یہ مطالبہ خود آپ حضرات کی اسلامیت کو مشتبہ کر رہا ہے۔ اس طرح کے بے ہودہ الزام کے بارے میں اسلام کی جو صحیح تعلیم ہے اس کا رخ آپ لوگوں کی طرف ہے نہ کہ میری طرف۔

قدیم مدینہ میں جب ایک شوشہ کو لے کر حضرت عائشہ صدیقہ پر ایک بے ہودہ الزام لگایا گیا تو اس کے بعد قرآن کی جو آیتیں اتریں اس میں جو تعلیم دی گئی وہ یہ نہیں تھی کہ اس قسم کا بے ہودہ الزام کسی پر لگایا جائے تو لوگوں کو چاہئے کہ وہ زیر الزام شخص سے مطالبہ کریں کہ تم کھلے لفظوں میں اس کی تردید کرو۔ اور زیر الزام شخص اس وقت تک بری الذمہ نہ سمجھا جائے جب تک کہ وہ کھلے لفظوں میں اس کی تردید نہ کر دے۔ اس کے بالکل برعکس قرآن (النور ۱۵۔۱۷) میں جو کچھ کہا گیا وہ یہ تھا:

جب کہ تم اس کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی تم کو (کسی دلیل سے) مطلق خبر نہیں اور تم اس کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات ہے اور تم نے جب اس کو سنا تو یوں کیوں نہ کہا کہ ہم کو زیبا نہیں کہ ہم ایسی بات منہ سے بھی نکالیں۔ معاذ اللہ یہ تو بڑا بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر ایسا کام کبھی نہ کرنا اگر تم ایمان والے ہو۔ (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی)

قرآن کی ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے لغو پروپیگنڈے کے معاملہ میں قرآن نے یہ اصول دیا ہے کہ اس کو سنتے ہی بلا بحث اسے رد کر دیا جائے۔ یعنی اس کے بارے میں وہی سلوک کیا جائے جس کو انگریزی میں اس طرح کہا گیا ہے:

Prima facie it stands rejected.

مذکورہ آیت میں يعظكم الله ان تعودوا لمثله ابداً (النور ۱۷) کے الفاظ بتاتے ہیں کہ اس حکم کا تعلق صرف حضرت عائشہ سے نہ تھا بلکہ اس کا تعلق تمام مسلمانوں سے اور ہمیشہ کے لئے تھا۔ اس شدید حکم کے باوجود آپ کی جماعت کے لوگوں نے اس مذموم فعل کو میرے ساتھ دہرایا اور اس کے خلاف آپ کی جماعت میں کوئی آواز بلند نہیں کی گئی۔ اس طرح آپ کی جماعت کے تمام لوگ براہ راست یا بالواسطہ طور پر علی الاعلان اس ممنوع فعل کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ اس جرم سے آپ حضرات اس وقت تک بری الذمہ نہیں ہو سکتے جب تک اعلان و

اشاعت کے ساتھ آپ لوگ اس سے توبہ اور رجوع نہ کریں۔ مذکورہ خط جیسی تحریر صرف آپ حضرات کی سرکشی میں اضافہ کرتی ہے، وہ ہرگز آپ کے جرم میں کوئی کمی کرنے والی نہیں۔

۲۰۔ ایک اور پہلو سے دیکھئے تو آپ کی جماعت کے لوگوں نے مجھ کو اس معاملہ میں جس طرح شرمناک طور پر بدنام کرنے کی کوشش کی وہ اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے ایک بدترین جرم نظر آئے گا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۹۴۷ سے پہلے کے دور میں غیر منقسم ہندستان میں ہر روز سیکڑوں آدمی اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ ۱۹۴۷ کے بعد یہ عمل رک گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ۱۹۴۷ سے پہلے کے دور میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان نارمل تعلقات تھے۔ نفرت اور کشیدگی کا ماحول نہیں تھا۔ اس نارمل فضا میں روزمرہ کی ملاقاتوں کے دوران دعوت کا عمل فطری طور پر جاری تھا۔ ملکی تقسیم کی تحریک اور پاکستان کے قیام کے نتیجہ میں طرفین کے درمیان جو تلخی پیدا ہوئی اس نے اس دعوتی عمل (process) کو روک دیا۔

پچھلے تقریباً ۳۰ سال سے میں خاموشی کے ساتھ یہ کوشش کر تا رہا ہوں کہ دونوں گروہوں کے درمیان تلخی اور کشیدگی کا ماحول ختم ہو تاکہ دونوں کے درمیان دوبارہ اوپن ڈائیلاگ ہونے لگے۔ اور دعوت کا فطری عمل دوبارہ جاری ہو جائے۔ میرا یقین ہے کہ دونوں گروہوں کے درمیان نارمل فضا قائم ہوتے ہی عین وہی فائدہ یہاں حاصل ہو گا جو صلح حدیبیہ کے بعد اسلام کے دور اول میں حاصل ہوا تھا۔ اور خود اس ملک میں ۱۹۴۷ سے پہلے کے دور میں عملاً موجود تھا۔

اس دعوتی ماحول کو قائم کرنے کے لئے میں نے غیر معمولی قربانیاں دیں۔ طرح طرح کے نقصانات اٹھائے۔ مثال کے طور پر ملک کے دوسرے مسلم رہنما کچھ نو پرابلم ہندوؤں کے ساتھ خوشگوار ملاقات کر لینے کو کافی سمجھے ہوئے تھے۔ میں نے تجربہ کے بعد دریافت کیا کہ اصل مسئلہ پرابلم ہندوؤں کو نارمل بنانے کا ہے۔ چنانچہ میں نے ہر قسم کی مصیبت اٹھا کر پرابلم ہندوؤں کے درمیان انٹرایکشن بڑھایا جو کہ بلاشبہ ایک سخت دشوار کام تھا۔ اللہ کی تائید سے میری

اس کوشش کے غیر معمولی نتائج بر آمد ہونے لگے۔ ۱۹۹۲ کے بعد ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کا رک جانا میری انہی کوششوں کا ایک براہ راست نتیجہ ہے۔

مگر عین اس وقت آپ کی جماعت کے لوگوں نے میرے خلاف اندھی دشمنی کے نتیجہ میں تصویر کے جھوٹے شوشہ کو لے کر ایک ایسا عمومی ہنگامہ کھڑا کیا جو عملی طور پر میرے پورے دعوتی منصوبہ کو تہہ وبالا کر دینے کے ہم معنی تھا۔ آپ کی جماعت کے لوگوں نے ملک کے اندر اور ملک کے باہر بہت بڑے پیمانہ پر مجھ کو اس طرح بدنام کرنے کی کوشش کی کہ مسلمانوں کی نظر میں میری تصویر اس طرح بگڑ جائے کہ وہ میرے پروگراموں میں شرکت یا تعاون سے توحش کرنے لگیں۔

آپ کی جماعت کے لوگ میرے خلاف دشمنی میں اتنے اندھے ہو گئے کہ انہیں یاد نہ رہا کہ وہ اپنی اس مہم سے صرف ایک شخص کو بدنام نہیں کر رہے ہیں بلکہ موجودہ زمانہ میں اسلامی دعوت کے ایک اہم اور دور رس منصوبہ کو معطل کرنے کی کوشش کے مجرم بن رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی جماعت کی یہ مذموم کوشش یقیناً بے اثر ہو کر رہ جائے گی۔ اور اللہ کی مدد سے یہ دعوتی عمل بدستور جاری رہے گا۔ تاہم میں سمجھتا ہوں کہ اس معاملہ میں آپ کی جماعت کے لوگوں نے اس گناہ عظیم کا ارتکاب کیا ہے جس کو قرآن میں صد عن سبیل اللہ (الاعراف ۴۵) کہا گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی پوری جماعت براہ راست یا بالواسطہ طور پر اس سنگین جرم کی مجرم بن چکی ہے، الّا یہ کہ یہ لوگ اپنے اس جرم کا اسی طرح کھلے طور پر اعتراف کریں جس طرح انہوں نے کھلے طور پر اس جرم کا ارتکاب کیا تھا۔

دعاگو وحید الدین

۲۳ اپریل ۱۹۹۹

M. A. Jameel Ahmad.
Islamic Foundation Trust
78, Perambur High Road, Madras-600 012
Tel. 6424401, 6421101, (Fax-4835120)

سوال

اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ اخلاص میں برکت ہے۔ جو کام اخلاص کے بغیر کیا جائے اس میں کوئی برکت نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب کیا ہے۔ براہ کرم اس کی وضاحت فرمائیں (شاہ فیصل، دہلی)

جواب

یہ کوئی پراسرار بات نہیں۔ یہ ایک سادہ حقیقت ہے۔ اس کو مذہب کی زبان میں کہنا ہو تو یہ کہیں گے کہ اخلاص میں برکت ہوتی ہے۔ اور فطرت کی زبان میں کہنا ہو تو یہ کہا جائے گا کہ تاثیر صرف اس کام میں ہے جس کو انسانی درد کے ساتھ کیا گیا ہو۔ پروفیشنل طور پر کئے گئے کام میں کوئی تاثیر نہیں ہو سکتی۔ برکت یا تاثیر کا تعلق صرف بات سے نہیں ہے بلکہ اِس سے ہے کہ بات کو کس طرح کہا گیا ہے۔ ایک پیشہ ور گیت کار مترنم لہجہ میں اخلاق اور محبت کا گیت گائے تو سننے والے اس سے وقتی لطف لے سکتے ہیں مگر اس کا یہ نتیجہ نہیں ہو سکتا کہ سننے والے اپنی عملی زندگیوں میں غیر اخلاقی روش کو چھوڑ دیں اور اخلاقی قدروں کو اپنی زندگی میں اختیار کرلیں۔ کیوں کہ وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر پہلے ہی سے جانتے ہیں کہ یہ آدمی ذاتی مفاد کے لئے ایسا کر رہا ہے نہ کہ حقیقۃً اصلاح انسانیت کے لئے۔ اس کے برعکس بامقصد اور درمند آدمی کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ صبح و شام اس لئے تڑپ رہا ہوتا ہے کہ لوگ بے اخلاقی کا طریقہ چھوڑ دیں اور بااخلاق زندگی اختیار کریں۔ وہ اپنی تنہائیوں میں لوگوں کی اصلاح کے لئے دعائیں کرتا ہے۔ وہ رات دن سوچتا ہے کہ بات کو کس طرح زیادہ بہتر انداز میں کہے جو لوگوں کے لئے موثر ہو سکے۔ اخلاق اور روحانیت اس کے لئے صرف کہنے کی بات نہیں ہوتی بلکہ وہ عملاً کرنے کی بات ہوتی ہے۔ وہ اس کو جنت اور جہنم کا مسئلہ سمجھتا ہے، اس لئے دوسروں کو سنانے سے پہلے وہ خود اس کا عملی پیکر بن جاتا ہے۔ وہ کہنے سے پہلے کرنے والا بنا ہوا ہوتا ہے۔ اس کا کہنا صرف کہنا نہیں ہوتا بلکہ اپنے دل کے درد کو انڈیلنا ہوتا ہے۔ اس کا لکھنا اور بولنا صرف لکھنا اور بولنا نہیں ہوتا بلکہ اس میں اس کا پورا وجود شامل ہو جاتا ہے۔ اس کے قلم کی سیاہی بازار کی سیاہی نہیں ہوتی بلکہ وہ آنسوؤں سے بنی ہوئی سیاہی

ہوتی ہے۔ اس کی آواز ہوا کی لہروں پر سفر نہیں کرتی بلکہ وہ دل کی دھڑکنوں کے ساتھ ایک روح سے نکل کر دوسری روح تک پہنچتی ہے۔ اسی کا نام اخلاص ہے، اور جو بات اس اخلاص کے ساتھ نکلے وہ از دل خیزد بر دل ریزد کی مصداق ہوتی ہے، الا یہ کہ سننے والا ایک ایسا انسان ہو جس کے سینہ میں بد قسمتی سے دل ہی نہ ہو، ایسا آدمی پتھر کا ایک مجسمہ ہو گا نہ کہ حقیقۃً کوئی زندہ انسان۔

سوال

میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اکثر آپ کے خلاف بولتے رہتے ہیں۔ مگر وہ ہمیشہ عیب جوئی اور الزام تراشی کی زبان میں بولتے ہیں۔ وہ شوشے نکال کر آپ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ وہ لوگ دلیل کی زبان میں آپ کی کاٹ کریں یا قرآن وحدیث کے حوالوں سے آپ کی بات رد کریں۔ آخر اس روش کے پیچھے نفسیات کیا ہے۔ یہ لوگ کیوں ایسا کرتے ہیں جب کہ مجھے یقین ہے کہ اس قسم کی باتوں سے نہ آپ کی تردید ہوتی ہے اور نہ کوئی ان سے متاثر ہو سکتا ہے۔ (ڈاکٹر انوار الحق، اعظم گڑھ)

جواب

اس کا جواب بالکل سادہ ہے۔ آپ کے پاس اپنے حریف کے لئے اگر بم ہو تو آپ اس کے اوپر بم ماریں گے، آپ اس کی طرف کنکری نہیں پھینکیں گے۔ البتہ اگر آپ محسوس کریں کہ میرے پاس اپنے حریف کے خلاف کوئی طاقت ور ہتھیار نہیں تو دل کا بخار نکالنے کے لئے آپ اس کو گالیاں دیں گے۔ کنکری پھینک کر یہ تسکین حاصل کریں گے کہ آپ نے اس کو اپنی زد میں لے لیا ہے۔ جو لوگ میرے خلاف عیب زنی اور الزام تراشی کی مہم چلا رہے ہیں وہ صرف یہ ثابت کر رہے ہیں کہ دلائل کے اعتبار سے وہ بالکل بے بس ہیں۔ یہ الرسالہ کا ہر قاری جانتا ہے کہ میں جو کچھ لکھتا ہوں ہمیشہ قرآن وحدیث کے حوالوں کی روشنی میں لکھتا ہوں۔ ایسی حالت میں جو لوگ میرے خلاف عیب جوئی اور الزام تراشی کا طریقہ اختیار کریں انھوں نے صرف مجھ کو نشانہ نہیں بنایا۔ انھوں نے قرآنی دعوت کو رد کیا۔ انھوں نے اپنی زبان حال سے یہ کہا کہ ہم کو قرآن

وحدیث سے کوئی مطلب نہیں، ہم کو صرف اپنے تعصّبات سے مطلب ہے۔ بظاہر اگر چہ وہ مجھ کو برا بھلا کہتے ہیں مگر حقیقت کے اعتبار سے وہ قرآن وحدیث کے مقابلہ میں سرکشی کر رہے ہیں۔ وہ نعوذ باللہ خدا ورسول کی ناقدری کرنے کے مجرم بن رہے ہیں۔ ان حضرات کی یہ روش اپنی حقیقت کے اعتبار سے قرآن کے اس ارشاد کی مصداق ہے "یہ لوگ تم کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کر رہے ہیں۔ (الانعام ۳۳)

سوال

کچھ مسلمانوں کو آپ سے جو شکایت ہے، وہ اس وقت شروع ہوئی جب آپ آر ایس ایس اور کٹر ہندوؤں کے جلسوں میں جانے لگے۔ مسلمان عام طور پر ان عناصر کو مسلم دشمن سمجھتے ہیں۔ اس لئے جب آپ ان کے جلسوں میں جانے لگے تو کچھ لوگوں کو آپ کے بارے میں یہ شبہ ہوا کہ آپ خدانخواستہ ان کے آلۂ کار بن گئے ہیں۔ یہ سوال ان مسلمانوں کے ذہن میں بھی ہے جو اسلام کے بارے میں آپ کی تحریروں کو بے حد پسند کرتے ہیں۔ براہ کرم اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔ (عمران احمد اصلاحی، دہلی)

جواب

اس معاملہ میں لوگوں کا شبہہ بالکل بے بنیاد ہے۔ یہ تو میں ایک بھولی ہوئی سنت کو زندہ کر رہا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کافروں اور مشرکوں کی مجلسوں میں اور ان کے میلوں اور بازاروں میں جاتے تھے تا کہ انھیں اسلام کا پیغام پہنچائیں۔ یہ لوگ خود اپنے اجتماعات ہی میں بڑی تعداد میں مل سکتے ہیں، کسی اور جگہ ہم ان کو نہیں پا سکتے۔ اس لئے ان کو عمومی طور اسلام سے متعارف کرنے کی واحد صورت یہی ہے کہ خود ان کے اجتماعات میں شرکت کی جائے۔ آر ایس ایس کے لوگ میرے اس مقصد کو بخوبی جانتے ہیں۔ چنانچہ آر ایس ایس کے انگریزی ہفت روزہ آرگنائزر (دہلی) نے میرے بارے میں دو قسطوں میں ایک مضمون شائع کیا تھا جس کا عنوان تھا: ایک مبلغ مولانا (A Missinary Maulana) آر ایس ایس کے ایک لیڈر ڈاکٹر مہیش چندر شرما نے ہندی

اخبار راجستھان پتریکا میں میرے بارہ میں ایک مضمون شائع کیا جس میں انھوں نے لکھا کہ دوسرے مسلمانوں کا طریقہ عداوت کا ہے اور مولانا وحید الدین کا طریقہ دعوت کا۔ دہلی کے فکّی آڈیٹوریم میں ایک جلسہ ہوا۔ یہ جلسہ دہلی کے آر ایس ایس حلقہ کی طرف سے کیا گیا تھا۔ اس میں صرف دو مقرر تھے۔ ایک میں اور دوسرے جناب اٹل بہاری واجپئی۔ میں نے اپنی تقریر کا موضوع وما ارسلناك الا رحمة للعالمين بنایا۔ اور تقریباً آدھ گھنٹہ کی پوری تقریر اسلام کے تعارف پر کی۔ اس کے بعد جناب اٹل بہاری واجپئی اسٹیج پر آئے۔ انھوں نے اپنے مخصوص انداز میں تقریر کی اور شروع ہی میں مجھ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: مولانا صاحب، یہ وچار منچ ہے، یہ پرچار منچ نہیں ہے۔ اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ میں "کٹر ہندوؤں" کے جلسوں میں جاتا ہوں تو وہاں میں اپنی تقریر میں کیا بات کہتا ہوں۔ جو لوگ پابندی کے ساتھ ماہنامہ الرسالہ پڑھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ میری زندگی کا واحد مشن دعوت ہے۔ اسلام کے پیغام رحمت کو تمام قوموں تک پہنچانا۔ اسی کو میں نے اپنی زندگی کا مقصد بنایا ہے۔ ملک کے اندر اور ملک کے باہر ہر جگہ میں مسلسل یہی کام کر رہا ہوں۔ آر ایس ایس کے جلسوں میں جانا بھی اسی سلسلۂ تعارف کی ایک کڑی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ بعد کے زمانہ میں اسلام اجنبی ہو جائے گا۔ موجودہ زمانہ میں چونکہ غیر مسلموں میں جا کر انھیں اسلام کا پیغام پہونچانے کا کام تقریباً ختم ہو گیا ہے اسلئے کچھ لوگ اس کو اجنبیت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مگر مجھے یہ یقین ہے کہ میرا یہ عمل ایک عبادت ہے۔ میں اللہ سے یہ امید رکھتا ہوں کہ میرا یہ کام انشاءاللہ اس مخصوص دینی عمل میں شمار کیا جائے گا جس کو حدیث میں مردہ سنت کو زندہ کرنے کا نام دیا گیا ہے۔ رواجی دین پر عمل کرنے والا فوراً لوگوں کی نظر میں مقبول بن جاتا ہے۔ لیکن متروک دین پر عمل کرنے کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ دین کے متروک جزء پر عمل کرنا ہمیشہ نہایت مشکل کام ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کا ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ ــــــ انّ عظم الجزاء مع عظم البلاء (الترمذی، کتاب الزھد)

۱۔ ہندی روزنامہ راشٹریہ سہارا (دہلی) کے نمائندہ مسٹر اکھلیش سمن نے ۱۰ فروری ۱۹۹۹ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ یہ انٹرویو اسلام کے بعض مسائل پر تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ اسلام میں اظہار رائے کی مکمل آزادی ہے۔ البتہ تشدد کی آزادی کسی کو نہیں۔ اگر کسی کو ایک شخص کی رائے غلط یا غیر اسلامی معلوم ہوتی ہے تو وہ اس کے خلاف تشدد نہیں کر سکتا۔ اس کو عقلی اور نقلی دلائل کی روشنی میں اس کی تردید کرنا چاہئے۔ سماجی جرائم پر اسلام میں سخت سزائیں ہیں۔ مگر کسی سزا کے نفاذ کا حق صرف جائز طور پر قائم شدہ عدالت کو ہے نہ کہ افراد کو۔

۲۔ فرنچ نیوز ایجنسی کے نمائندہ مسٹر نارائن سوامی نے ۱۲ فروری ۱۹۹۹ کو ٹیلی فون پر صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر اس سے تھا کہ اسلام میں آزادیٔ رائے کا کیا درجہ ہے۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ اسلام میں آدمی کو مکمل آزادیٔ رائے حاصل ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ تشدد نہ کرے۔ کسی کو اگر کسی کی رائے سے اختلاف ہو تو وہ دلیل سے اس کا توڑ کر سکتا ہے مگر تشدد کی اجازت کسی کو بھی نہیں۔

۳۔ اکھل بھارتی ودیارتھی پریشد کی طرف سے جواہر لال نہرو یونیورسٹی (نئی دہلی) میں ۲۰ فروری ۱۹۹۹ کو یونیورسٹی کے طلبہ کا ایک جلسہ ہوا۔ صدر اسلامی مرکز کو اس میں خطاب کی دعوت دی گئی۔ انھوں نے اس موقع پر علم اور تعلیم کی اہمیت پر ایک تقریر کی۔ مزید یہ کہ ہمارے ملک کی قومی پہچان صرف ایک ہے، اور وہ کیر کٹر ہے۔ اس کے سوا کسی اور چیز کو ملک کی پہچان بنانا صرف ملک کو تباہ کر سکتا ہے، وہ ملک کو ترقی کی طرف نہیں لے جا سکتا۔

۴۔ دکن ہیرالڈ کے نمائندہ مسٹر بھاشم کستوری نے ۲۵ فروری ۱۹۹۹ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر اس سے تھا کہ اسلام میں فکری آزادی ہے یا نہیں۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ اسلام میں مکمل فکری آزادی ہے البتہ تشدد کی آزادی اسلام میں نہیں۔

۵۔ ہندی ہفت روزہ مایا کے لئے اس کے نمائندہ مسٹر بی ڈی ایس گوتم نے ۲۳ جنوری ۱۹۹۸ کو صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر کنورزن سے تھا۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ موجودہ حالات میں جو لوگ اینٹی کنورزن قانون کی بات کرتے ہیں وہ ایک غیر قانونی اور غیر دستوری بات کر رہے ہیں۔ ہندوازم کا یہ نظریہ ہے کہ سچائی ایک ہے اور مختلف مذاہب کے وہاں تک پہنچنے کے مختلف راستے ہیں۔ ایسی حالت میں اینٹی کنورزن قانون کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں پر یہ پابندی لگائی جائے کہ وہ سچائی کی منزل تک پہنچنے کے لئے راستہ نمبر ایک سے جاسکتے ہیں لیکن راستہ نمبر دو، تین سے نہیں جاسکتے۔ اسی طرح اینٹی کنورزن قانون ہندستانی دستور کے خلاف ہے۔ اور اقوام متحدہ میں ہمارے کئے ہوئے عہد کے خلاف ہے۔ ایسی حالت میں جو لوگ اینٹی کنورزن کی بات کرتے ہیں انھیں اس سے پہلے ہندوازم کے تصور مذہب کو بدلنا ہوگا، انھیں دستور ہند سے مذہبی آزادی کی دفعہ کو نکالنا ہوگا اور اسی طرح اقوام متحدہ سے اپنا دستخط واپس لینا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ سب ممکن نہیں۔ اس لئے اینٹی کنورزن قانون بھی جائز طور پر ممکن نہیں۔ اور اگر ان سب کے باوجود اینٹی کنورزن قانون بنایا جائے تو وہ دہرا معیار کو اپنانا ہوگا۔ جو تمام برائیوں سے زیادہ بڑی برائی ہے۔

۶۔ ایک صاحب اپنے تفصیلی خط مورخہ چار اپریل میں لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو صبر اپنے اور پرائے کی مخالفت کے باوجود دیا ہے وہ اس کو برقرار رکھے۔ (آمین) پچھلے چند ماہ سے جو فتنۂ تصویر آپ کے خلاف اٹھایا گیا ہے اس کی تردید میں نے خود اسی طرح کی جیسے آپ نے ماہ جنوری، فروری اور مارچ ۹۹ کے الرسالہ کے ذریعہ کی ہے۔ اس فتنہ میں جو شریک تھے اللہ تعالیٰ ان کو اپنی غلطی کے اعتراف کی توفیق دے۔ مولانا شمس پیرزادہ کے سوال کا جواب پڑھ کر، قرآن کو صحیح سمجھنے کا موقع ملا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ آپ کی

علمی قابلیت کو اور زیادہ بڑھایا۔ جس طرح حضرت عائشہؓ افک کے واقعہ سے بری ہوئیں اور مخالف ناکام ہوئے۔ اسی طرح تصویری فتنہ کے بعد آپ کی عزت بڑھی اور سازش کرنے والوں کی بے عزتی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو خاص علم دیا ہے اس کی وجہ سے جو لوگ کسی کی شخصیت پرستی میں ہیں ان کو اچھا نہیں معلوم ہو رہا ہے۔ اب رہے غیر تو ان میں سے بہت سے لوگ آپ کی تحریروں کو پڑھ کر اسلام قبول کر رہے ہیں اور بہت سارے اسلام کے قریب آرہے ہیں۔ یہ بات کچھ لوگوں کو پسند نہیں اس وجہ سے وہ کچھ نہ کچھ فتنہ کھڑا کر رہے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہر فتنہ کی جڑ فوری کاٹ رہے ہیں۔ اسکی وجہ سے اسلام کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ اگر ہمارے علماء کرام اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داریوں کو ادا کریں تو یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔ اگر انھوں نے یہ فریضہ انجام نہیں دیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے علمائے کرام کو نیک توفیق دے تاکہ اسلام کی اشاعت میں رکاوٹ نہ ہو سکے اور اسلام ترقی کرے۔ (جمال الدین صدیقی، ناندیڑ)

ہندی روزنامہ دینک بھاسکر کے نمائندہ مسٹر ایم جے انصاری نے ۱۰ مارچ ۱۹۹۹ کو ٹیلی فون پر صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ ایک سوال یہ تھا کہ مسلمانوں کے لئے حقوق کے تحفظ اور ریزرویشن کی جو تحریک چل رہی ہے اس کے بارہ میں آپ کی کیا رائے ہیں۔ انھوں نے جواب میں کہا کہ مسلمان یا غیر مسلم کوئی بھی تحفظات کے بل پر ترقی نہیں کر سکتا۔ ترقی کا واحد فارمولہ محنت ہے۔ اس دنیا کے لئے خدا کا اٹل قانون یہ ہے کہ ـــــ جتنی محنت اتنی ترقی۔ جو لوگ تحفظات کے ذریعہ مسلمانوں کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں وہ گویا فطرت کے قانون سے لڑ رہے ہیں۔ تحفظ اول ملنے والا نہیں اور اگر بالفرض مل جائے تب بھی وہ بے فائدہ ہے۔

ٹریسی سیمینار سیریز (Traci Seminar Series) کی طرف سے ۳۰ مارچ ۱۹۹۹ کو کانسٹی ٹیوشن کلب (نئی دہلی) میں ایک سیمینار ہوا۔ اس کا موضوع یہ تھا ریلیجن اینڈ

نیشن بلڈنگ (Religion and Nation Building)۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور وہاں ایک تقریر کی۔ تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ کسی مقصد کو حاصل کرنے کا سب سے موثر طریقہ پر امن طریقہ ہے۔ اس موقع پر انھوں نے قرآن کی آیت فاذا الذی بینك وبینه عداوة كانه ولی حمیم (حٰم السجدہ ۳۵) کی تشریح کی۔

۹۔ انو ورت مہا سمیتی کی طرف سے انو ورت بھون (نئی دہلی) میں ۲۷ مارچ ۱۹۹۹ کو ایک آل انڈیا سیمینار ہوا۔ اس کا موضوع تھا: قومی ترقی میں روحانیت کا رول۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی۔ اور اس موضوع پر اظہار خیال کیا۔ ان کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ صرف سسٹم بدلنے سے کوئی سماجی انقلاب نہیں آتا۔ حقیقی سماجی انقلاب کے لئے افراد کے اندر روحانی انقلاب لانا ضروری ہے۔

۱۰۔ دوردرشن نئی دہلی کی ٹیم نے ۱۸ مارچ کو صدر اسلامی مرکز کا ایک انٹرویو ریکارڈ کیا سوالات کا تعلق زیادہ تر کشمیر کے مسئلہ سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ کشمیر کا مسئلہ اتنی لمبی مدت تک حل نہ ہونے کا واحد سبب یہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی بھی پوری طرح سنجیدہ نہیں ۔ دونوں فریقوں نے اب تک مشترک طور پر تین معاہدے کئے ـــ تاشقند ڈیکلریشن ۱۹۶۶، شملہ ڈیکلریشن ۱۹۷۲، لاہور ڈیکلریشن ۱۹۹۹ ـــ مگر کسی بھی معاہدے پر درست طور پر عمل نہیں کیا گیا۔ اگر دونوں فریق خود اپنے کئے ہوئے معاہدہ پر دیانت دارانہ عمل کریں تو یہ مسئلہ چند دنوں میں ختم ہو جائے۔

۱۱۔ بی بی سی ورلڈ سروس اور پبلک ریڈیو انٹرنیشنل کی فارن کرسپانڈنٹ مقیم بوسٹن (Tel. 03561 24083) مسز ٹنکو رے (Tinku Ray) نے مارچ ۱۹۹۹ کو صدر اسلامی کا ایک انٹرویو انگریزی میں ریکارڈ کیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر سلمان رشدی اور ان کی کتاب سیٹنک ورسز سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ سلمان رشدی کو اگر انڈیا

آنے کا ویزا دیا جاتا ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ بلکہ میں اپنے آفس میں ان سے ملاقات کرنے کے لئے تیار ہوں۔ وہ یہاں آئیں اور اپنی کتاب اور اسلام کے بارے میں اپنے خیالات پر مجھ سے بات کریں۔ مجھے یقین ہے کہ میرے دلائل کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔ اگر ان کے اندر علمی سنجیدگی ہے تو وہ یہ ماننے پر مجبور ہوں گے کہ انھوں نے جو باتیں اپنی کتاب میں لکھی ہیں وہ سراسر بے بنیاد ہیں۔ وہ حقیقت یا تاریخ پر مبنی نہیں۔

۱۲۔ ۲۱ اپریل ۱۹۹۹ کو انڈیا انٹر نیشنل سینٹر میں ایک سیمینار ہوا۔ اس کو منسٹری آف فارسٹ اور ڈبلیو ایف نے مشترکہ طور پر آرگنائز کیا تھا۔ اس کا موضوع تھا: مذہب اور تحفظ فطرت Religion and Conservation اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور قرآن کی روشنی میں اس موضوع پر ایک تقریر کی۔ یہ تقریر انشاء اللہ مرتب کر کے مضمون کی صورت میں شائع کر دی جائے گی۔

۱۳۔ کانسٹی ٹیوشن کلب (نئی دہلی) میں ۱۱ مارچ ۱۹۹۹ کو ایک اجتماع ہوا۔ یہ وبھاجن اَسویکار نامی کتاب کو ریلیز کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی۔ انھوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ اصل مسئلہ وبھاجن کو اَسویکار کرنے کا نہیں ہے بلکہ نفرت کو اَسویکار کرنے کا ہے۔ نفرت ہی تمام مسائل کی جڑ ہے۔ نفرت کو ملک کے اندر بھی ختم کرنا ہے اور ملک کے باہر بھی۔ تمام مسائل نفرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور پیار و محبت سے انہیں ختم کیا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر مہیش چندر شرما نے مرتب کی۔

۱۴۔ مارچ ۱۹۹۹ کے پہلے ہفتہ میں صدر اسلامی مرکز نے کیرالا اور بمبئی کا سفر کیا۔ دونوں جگہ مختلف قسم کے پروگراموں میں شرکت کی۔ کیرالا میں شانتی گری آشرم (ٹریونڈرم) کی کانفرنس میں شرکت کی۔ مذکورہ آشرم میں کثیر تعداد میں غیر مسلموں سے ملاقات ہوئی اور اسلام کے تعارف کا موقع ملا۔ اس سفر کی رپورٹ انشاء اللہ سفر نامہ کے تحت الرسالہ میں شائع کر دی جائے گی۔

ایجنسی الرسالہ

ماہنامہ الرسالہ بیک وقت اردو اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ اردو الرسالہ کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ انگریزی الرسالہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہونچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضہ ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہونچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہونچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوت ہے اور ملت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

۱۔ الرسالہ (اردو اور انگریزی) کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فیصد ہے۔ ۱۰۰ پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن ۳۳ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمے ہوتے ہیں۔

۲۔ زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کیے جاتے ہیں۔

۳۔ کم تعداد کی ایجنسی کے لئے ادائیگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں گے، اور صاحبِ ایجنسی ہر ماہ اس کی رقم بذریعہ منی آڈر روانہ کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینہ میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

زر تعاون الرسالہ

	INLAND		ABROAD	
	Urdu	English	Air-Mail	
	Rs.	Rs.	US $	£
1 Year	100	60	10	6
2 Years	195	120	20	12
3 Years	290	175	30	18
5 Years	480	280	50	30

 ISLAMIC BOOKS 

Finest collection of books on Islam





